سہ ماہی "تحقیق و تجزیہ" (جلد4، شمارہ:2)، اپریل تا جون 2026ء

The Earliest Aspects of Persian poetry & Literature in India: Research and Analysis

ہندوستان میں فارسی شعر و ادب کی اوّلین جہات: تحقیق و تجزیہ

Dr. Qaiser Mehmood *1
Assistant Professor, Persian Language &Literature, Univeristy of Sargodha
Bazaghah Qandeel *2
Assistant professor, Department of Urdu Language & Literature GC Women Univeristy, Faisalabad
Rizwana Naqvi *3
Assistant Professor Urdu, Department of Urdu and Oriental Languages, Univeristy of Sargodha

☆1 **ڈاکٹر قیصر محمود**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ زبان و ادب فارسی، یونیورسٹی آف سرگودھا
☆2 **بازغہ قندیل**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
☆3 **رضوانہ نقوی**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو اور مشرقی زبانیں، یونیورسٹی آف سرگودھا

Correspondance:bazhahqandeel@gcwuf.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 14-04-2026
Accepted:26-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY)

ABSTRACT: The development of modern languages & literature in India is due to Persian poetry and literature.Persian efficacy in India begin with the arrival of muslim conquerors but Muslim Sufism played amajor role in the development and revival of the Persian language& infuses.In term of literature, 1st Indian poet of Persian was Nikati, who lived during the Ghazni period. While impoetant Persian poets like Abul faraj Rufi and Masood Saad Salman also continued to cultivate poetry and literature under the patronage of Muslim rulers, so their influence remain confined and couldn't express more towards society and for a bigger circle of literary change, while on the other edge there were Muslim Sufis their

license

addressee was the masses.They adopted the simplicity of Persian poetry for their message and also continued to promote and guide in local languages. Since their aim was to reform morality and religion, and the majorasset of this reform was in Persian and Arabic, the color of local languages also started changing due to the influence of these languages.Thus, if we look at the impact and change, Sufis are seen at the forefront in the movement and development of Persian literature.This article covers these aspects of Persian influence.

KEYWORDS:Persian Literature, Incient Persian poets ,Muslim Conquerors, Muslim Sufism, Social and Linguistic changes, Rise of Persian culture

ہندوستان میں فارسی ادب کے اولین ارتقائی نشانات پانچویں صدی ہجری کے اوائل ہی سے نمودار ہونے لگے تھے ، اس ادبی خاکے کے نمایاں رنگ کچھ خالصتاَ فارسی شعرا کے مرہونِ منت تھے اور کچھ مقامی شعرا اور سرزمینِ ہند پر ہجرت کر آنے والے مبلغینِ دین کی کاوشیں، لیکن ادبی اور تبلیغی حوالے کا سب سے اہم محرّک مسلمان فاتحین و سلاطین ہیں کہ ان کی فتوحات کے زیرِ سایہ ہندوستانی مقامیت میں عرب و عجم کے سلسلہ ہائے فکر و شعر نیز رشد و ہدایت کے چراغ پوری آب و تاب سے جگمگانے لگے۔اس دور میں اسلامی اثر و رسوخ کے بڑھتے ہوئے سلسلے نے جہاں اسلامی سلطنت کو فروغ و استحکام بخشا وہیں ادبی حوالے سے بھی حیات و سخن کے رنگ نکھارے۔ ہندوستان میں عرب و فارس کے مہاجر صوفیا اور ان کے اجداد مسلمان فاتحین کے ساتھ ہی اشاعتِ دین و فلاحِ انسانیت کے لیے ہندوستان کی سرزمیں پر وارد ہوئے اور اپنے روحانی کشف و حسنِ سلوک سے ایک عالم کو مسخر کرتے ہوئے دائرہِ اسلام کو بڑھاتے چلے گئے۔ عہدِ غزنی، خلجی، تغلق اور مغلیہ عہد میں نا صرف مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ ہندوستان کے طول و عرض تک بڑھا بلکہ اسلامی سلطنت کی بنیادیں مستحکم تر ہونے لگیں، اس استحکام نے ہندوستانی سرزمین پر حکمرانوں کے تہذیب و تمدن اور زبان و فنون کو فروغ دیا اور بارہویں صدی عیسوی سے ہندوستان میں فارسی ادب کی وہ روایت مستحکم ہونے لگی کہ جس نے آنے والے وقتوں میں صدیوں تک ہندوستان کی متنوع حیات کو اپنے حسن و فن کا اسیر رکھا۔بارھویں و تیرھویں صدی نا صرف ایرانی کلچر کے فروغ کا عرصہ ہے بلکہ اس عہد میں مقامی ادبی و شعری روایت مغلوب ہو کر فارس کا رنگ اپناتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ ہندوستانی سرزمین ایسے نابغانِ فن کو جنم دیتی ہے کہ جن کے فکر و فن کی اک دنیا مداح ہے، ان میں طوطیِ ہند امیر خسرو، امیر حسن سجزی، ضیاالدین برنی، بدرالدین چاچ، عصامی، ظہیر، ظہیر الدین، فیضی اور بیدل کے نام بالخصوص اہم ہیں، جبکہ

اگر اولیّت کے حوالے سے بات کی جائے تو نکتی لاہوری، ابوالفرج، مسعود سعد سلمان، تاج الدین، شہاب الدین، عمید الدین کے نام اہم ہیں۔ ادبی عظمت سے آگے بڑھ کر جب ہم سماجی اثرات و لسانی تبدیلیوں کی بات کریں تو اس مقام پر سقّہ شعرا و ادبا کے مقابل صوفیا کہیں زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں، کیونکہ ان کا مخاطب عوام تھے اور لسانی تبدیلی ہمیشہ عوام سے آتی ہے۔

ادبی حوالے سے فارسی شعری اوّلیت کا سہرا "نکتی لاہوری" کے سر ہے، دورِ غزنہ کے اہم شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے، لیکن اکثر قدیم شعرا کی طرح "نکتی" کے سوانحی احوال بھی مستند و واضح نہیں ہیں، اس دور کے تذکرہ نویسوں نے بھی ان کے چند اقوال نقل کر دیئے ہیں۔ لیکن محمد عوفی نے اپنی تالیف "لباب الالباب" میں قدرے تفصیل سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے نزدیک: "نکتی اتنا عظیم شاعر تھا کہ اس کی مکمل شاعرانہ صلاحیتوں کو بیان کرنا انتہائی دشوار ہے"[1] لیکن یہ تعریف حقیقت سے زیادہ مبالغہ کے قریب ہے "نکتی کی شعری کاوش کا دستیاب نمونہ ایک قصیدے، ایک قطعے اور دو اشعار پر مشتمل ہے جسے محمد عوفی نے "لباب الالباب" میں پیش کیا ہے۔ جس کا مطالعہ نکتی کے طرزِ سخن میں سادگی، سلاست و روانی کو آشکار کرتا ہے۔ مشکل پسندی، ادق نگاری، کنجلک طرزِ ادا اور تخیل کی بلند پروازی نکتی کے ہاں مہمیز نہیں ہے۔ ان کے دستیاب قصیدے کے چند اشعار درج ذیل ہیں جو اس نے سلطان مسعود بن محمود کی مدح میں لکھا تھا۔:

روئی آن ترک نہ رویست وبر او نہ برست

کہ بریں ناز بہارست وبراں گل ببرست

بطر از قد و خرخری زلفین دراز

رستخیز همه خوبانِ طراز و خزرست[2]

ہندوستان میں پہلا فارسی شاعر ہونے کے ناطے یقینی طور پر "نکتی" کے شعری و فنّی اثرات دیگر شعرا تک بھی پہنچے ہوں گے مگر تاریخِ ادب ان کے آثار کھوجنے سے محروم ہے۔

"ابوالفرج روفی": ہندوستان میں اوّلین فارسی شعرا میں شمار ہوتے ہیں، عوفی کے بیان کے مطابق ان کا پورا نام "ابوالفرج مسعود الروفی تھا، وہ لاہور میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی دیگر شعرا کی طرح ان کے حالاتِ زندگی کی تفصیل پردہءِ اخفا میں ہے لیکن دیگر شعرا کی نسبت ان کے حوالے سے بہت سی باتیں واضح ہیں گو کہ ان پر بھی تذکرہ نویسوں کا اختلاف ہے مگر اس حوالے سے سب متفق ہیں کہ وہ اپنے عہد کے مشہور و مقبول شاعر تھے، تذکرہ نویس انہیں افضل الفضلاء اور استاد کے لقب سے ملقّب کرتے ہیں۔ سلطان ابراہیم اور سلطان مسعود، ابوالفرج کے سرپرستِ خاص تھے چنانچہ دیگر

سلاطین کی نسبت ابو الفرج نے زیادہ تر قصائد انہی کی شان میں لکھے ہیں۔ ایک مقبول درباری شاعر ہونے کے ناطے جہاں ان کی پذیرائی رہی وہیں تذکرہ نویسوں نے متعدد اختلافات کا بیان بھی کیا ہے۔ ابو الفرج ایک نابغہءِ روزگار شاعر تھے کہ جن کی نظموں، قصائد و قطعات میں حیاتِ عصر اپنی تمام تر تابندگیوں اور ہمہ ہمی سے سانس لیتی محسوس ہوتی ہے، میدانِ کارزار سے محافلِ رنگ، اور دوستوں کی حبداری سے سلاطین کی وفاداری تک ان کے ہاں نقشہءِ زیست حیات سے مملو ہے۔ تذکرہ نویسوں نے فنِ قصیدہ گوئی میں روفی کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے صاحبِ طرز شاعر تسلیم کیا ہے۔ ان کی شاعرانہ عظمت کی اس سے بڑھ کر اور مثال کیا ہو گی کہ ہندوستانی شاعر ہونے کے باوجود وہ شعراءِ ایران کے لئے قابلِ عزت و عظمت اور قابلِ تقلید رہے۔ بارہویں صدی کے اواخر کے عظیم فارسی قصیدہ نگار انوری، خاقانی و ظہیر فاریابی جو فارسی شاعری کا سہرا تسلیم کیئے جاتے ہیں برملا ابو الفرج کی استادی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے شعر و فن کی نقل و تقلید کا اعتراف کرتے ہیں۔ ابو الفرج وہ خوش قسمت شاعر ہیں کہ جن کی عظمت ان کے اپنے عہد سے لے کر آج تک مسلمہ ہے۔ ہندوستان میں ابو الفرج فارسی شاعری کا منارہءِ نور نظر آتے ہیں کہ جن کی روشنی میں فارسی شعری روایت نے مسلسل اور طویل سفر کامیابی سے طے کیا۔ نمونہءِ کلام ملاحظہ ہو:

بہ گردوں نورِ اختری فرستم

بہ دریا درو عنبری فرستم

بہ فردوسِ بریں سرو وصنوبر

ببر طوبیٰ بنوبری فرستم

چو نظمی نیستم شائستہءِ تو

سخن زین روی ابتری فرستم (3)

مسعود سعد سلمان لاہوری:

ہندوستان میں فارسی شعری روایت کا دوسرا تابندہ ستارہ مسعود سلمان لاہوری ہیں جن کا مولد و مسکن لاہور ٹھہرا۔ مسعود کو زبانِ اردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے گو کہ ان کا اردو دیوان ناپید ہے مگر، امیر خسرو دہلوی اور ڈاکٹر اشپر نگر دونوں نے مسعود کے عربی، فارسی و اردو دیوان کا تذکرہ کیا ہے۔ مسعود کا عہدِ حیات آلِ غزنہ سے وابستہ ہے اور وہ عبد الفرج کے اہم ترین شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ اوّلین فارسی گو شعرا میں وہ بلند تر مقام رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ شعراءِ فارس کے لئے

بھی ان کا کلام قابلِ تقلید ٹھہر تا ہے۔ مسعود سعد سلمان جتنے بڑے صاحبِ فن تھے، اتنی ہی بڑی مصیبتوں کا شکار رہے۔ اپنے دورِ عروج میں وہ حاسدین کے حسد کا شکار ہو کر شاہی عتاب کا نشانہ بنے اور ان کی عمرِ عزیز کا ایک بڑا حصہ اذیت ناک قید کی نظر ہو گیا۔ قید و بند کی اس تلخی میں بھی اس نابغہ ءِ فن کا قلم شعر و سخن کے موتی پر و تارہا اور ان کی ذات سے وابستہ قصیدے کی اک نئی جہت بصورتِ "حبسیات" متعارف ہوئی گو کہ یہ "حبسیات" انفرادی درد و غم سے وابستہ ءِ فریاد ہیں لیکن ان کی اپیل آفاقی و انسانی ہے۔ پیدائش سے لے کر قید تک مسعود نے خانگی و درباری حوالے سے شاندار زندگی گزاری، اور پھر قید تمام ہونے کے بعد بھی وہ سلاطین و امراء کے درباروں سے وابستہ رہے۔ ہندوستان میں فارسی شعر و سخن کی آبیاری میں ان کا کردار بہت اہم ہے، کہ بڑے بڑے شعراا اس کے مقلدین میں شمار ہوتے ہیں۔ مسعود کی سخن فہمی ، تخلیقی قوت، رسا ذہنی اور فن کاری اس درجہ کمال تھی کہ اس کے اپنے زمانے میں ہندوستان تو کیا ایران میں بھی اس پائے کا کوئی شاعر موجود نہ تھا۔ سنائی، معزی، ظہیر الدین نیشاپوری، رشید سمرقندی سمیت اس عہد کے تمام شعراا ان کی استادی کا اعتراف کرتے ہیں۔ نمونہ ءِ کلام ملاحظہ ہو:

گرماسہ داشتم بلوھور

وین نزدِ ھمہ کس عیان است

امروز سہ سال شد کہ مویم

مانندہء موئی کافران است

بر تارک و گوش و گردنِ من

گوئی نمد تر گرانست (4)

ان کے علاوہ "تاج الدین"، "شہاب الدین" اور "عمید الدین" کے نام بھی اہم ہیں۔ ہندوستان میں فارسی شعر و سخن کی یہ روایت گو کہ نئی اور ابتدائی تھی مگر ان شعرا کا فنّی و فکری کمال اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ وہ محض نقال نہیں تھے بلکہ پختہ تخلیقی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ یہی نابغانِ فن تھے کہ جنھوں نے آنے والی ادبی روایت میں نا صرف فارسی بلکہ اردو زبان کی بھی آبیاری کی اور دونوں زبانوں کو وہ قوت و لطافت بخشی کہ زمانہ اس حسن و عظمت کا مداح ہے۔ قدما کی اس فارسی شعری روایت کا سب سے حسین روپ "یمین الدین امیر خسرو دہلوی" ہیں جو ہندی و فارسی روایت کی امتزاجی تہذیب و لسان کا بہترین اظہاریہ ہیں۔ اس دور کی فارسی روایت براہ راست ایرانی اثرات کے زیرِ اثر تھی جبکہ ان اثرات کا حاصل مندرجہ بالا وہ ہندوستانی فارسی شعرا تھے کہ جنھوں نے نا صرف ہندوستان بلکہ ایران و توران کو بھی اپنے شعر و فن سے

مسخّر و متاثر کیا۔ ایرانی اثرات کی اس فنّی روایت کے شانہ بشانہ ایک اور روایت بھی محوِ سفر تھی جس کا حاصل فنی خصائص سے زیادہ دینی فتوحات تھیں گو کہ یہ روایت بھی ایرانی اثرات سے مبرّا نہ تھی کہ تصوف و دینی تعلیمات کا سرچشمہ عرب و فارس کی سرزمین ہی تھی لیکن ان دونوں روایات کا مقصد اور دائرۂ عمل انہیں ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ صوفیا کی اصلاحی و دینی ادبی روایت میں بھی بعض مقامات پر علمی و فنی کمال کے وہ سوتے پھوٹتے ہیں کہ جو قلب و اذھان کو منور کرنے کے ساتھ ساتھ ادبی و شعری ایوانوں میں بھی جگمگاہٹ کا باعث بنتے ہیں۔ ہندوستانی صوفیاء کی ذات و کردار نے نا صرف اندھیروں کو اجالوں میں تبدیل کیا بلکہ علم و فضل کے وارث ہونے کی بناء پر ادب کی سرپرستی بھی کی جس کے سبب ناصرف فارسی بلکہ آگے چل کر اردو زبان بھی بار آور ہوتی رہی۔ ہندوستان میں صوفیاء کے متعدد سلسلوں میں چشتیہ اور سہروردیاں بالخصوص قابلِ ذکر ہیں کہ ان کی بدولت شعر و شاعری، ادب و موسیقی اور راگ و آلاپ نے ایک نمایاں فن کی صورت میں ترقی کی۔ "سماع" چشتیہ صوفیاء کی بندگی اور اظہارِ ذات کا خاص انداز تھا کہ جو مخلوق کے لئے خالق کی کھوج میں رہنما بنتے ہوئے روح کے دروازے کھولتا تھا۔ چنانچہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری جو کہ خود بھی بہت بڑے عالم اور فن شناس تھے ان کی درگاہ ادب و فن کے متوالوں، درویشوں اور روحانی تسکین کے خواہشمندوں کی آماجگاہ تھی شعر و ادب کے میدان میں ان کا نام ایک معتبر حوالہ ہے۔ وہ خود بھی بحرِ علوم کے شناور اور شعر و شاعری کے پارکھ تھے۔ چنانچہ آپ کے خلفاء آپ کی صحبتوں کے زیرِ اثر ہندوستانی سرزمین پر حسن و محبت کا بیج بونے والوں میں سرِ فہرست نظر آتے ہیں آپ کے مریدِ خاص حضرت نظام الدین اولیا نے شعر و سخن اور سماع کے اس سلسلے کو بالخصوص تقویت بخشی، امیر خسرو کی شعری تربیت اور حسن سجزی کا شعری کمال آپ کی نگاہِ کرم کا ہی فیض ہے آپ ہی نے امیر خسرو کو "صفاہانوی" طرزِ غزل کی طرف مائل کیا۔ نظام الدین اولیاء المعروف بہ محبوبِ الہیٰ دہلی کا قلبِ نورانی تھے۔ آپ کا عہد ہندوستان کا عہدِ زریں کہلاتا ہے کہ محققین اور مورخین کی نظر میں اس وقت دہلی، بغداد، قسطنطینہ اور یروشلم کا ہم پلہ نظر آتا ہے۔ حضرت نظام الدین نے اپنی حیات میں دہلی کی سات سلطنتیں دیکھیں آپ اپنے عہد کی ہر دلعزیز شخصیت تھے مگر بادشاہوں سے دور رہے۔ علاؤ الدین خلجی آپ کے معتقدین میں سے تھا اور بار بار شرفِ بازیابی حاصل کر کے من کی مراد پانا چاہتا تھا مگر آپ نے شاہ و شاہی دونوں سے دوری بنائے رکھی یہاں تک کہ امیر خسرو جو دونوں کے مقرب تھے وہ بھی ملاپ کی ان کوششوں میں ناکام ٹھہرے۔ خواجہ جی شعر وادب اور سماع (رقص و موسیقی) کے دلدادہ تھے۔ حالتِ سماع میں ان کی بے خودی و وجد زمین و آسماں کے باہمی اتصال کا پرتو نظر آتا تھا- سماں و موسیقی سے ان کی اس پسندیدگی نے غالی علماء اور اس عہد کے حکمران غیاث الدین تغلق کو آپ کی مخالفت بلکہ دشمنی پر مجبور کیا- علماء نے آپ پر کفر کے فتوے لگائے اور ایک عظیم اجتماع میں انہیں مناظرے کی دعوت دی- جہاں محبوب الہیٰ نے ناصرف اپنے علم و حکمت اور قرآن و حدیث شناسی سے اپنے عمل کا بھرپور جواز فراہم کرتے ہوئے علماء کے کھوکھلے علم کا پردہ چاک کیا بلکہ قرآن و حدیث سے اپنے عمل کی تصدیق بھی کروائی- ایسے میں اسی عہد کے دوسرے صوفی بزرگ رکن الدین ملتانی نے اس واقعہ سے تقویت پاتے ہوئے غیاث الدین تغلق سے آپؒ کی بریت کی درخواست کی مگر شیخ کی عظمت، عوامی شہرت و مقبولیت اور شاہ کی اطاعت قبول نہ

کرنے کی روش نے اسے حضرت نظام الدین کا حاسد اور دشمن ہی رکھا-اور بلآخر یہی حسد شیخ کی بد دعا بن کر شاہ اور شاہی دونوں کو نگل گیا(5)۔ نظام الدین اولیاء نا صرف خود شاعر تھے بلکہ شاعر گر بھی تھے "امیر خسرو دہلوی" جن کا نام فارسی اور اردو شاعری کا جگمگاتا ستارہ ہے آپ ہی کی نگاہِ کرم کا فیض ہیں۔ شیخ کی وفات پر خسرو نے جس محبت وعقیدت کا اظہار کیا وہ کچھ یوں ہے:

"از مرید انش رہ روانِ یقین

ہر یکی والیءِ ولایتِ دین

بر سر از شین شرع ساختہ تاج

دل شان عرش و سجدہ شاں معراج

ملک وحدت بنام ایشان است

بندہ خسرو غلام ایشاں است

نام من زان ستودہ کیشان باد

حشر من در میان ایشان باد(6)

ہندوستان کی دھرتی کو رشد وہدایت سے منور کرنے والے نظام الدین اولیاء لوگوں کے لیے قبلہ ءِ جاں کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی ذات کے نور سے شرق و غرب مستفید ہو رہا تھا۔ انہوں نے لا تعداد سینوں کو نورِ ہدایت سے منور کیا۔ خدا شناسی کا ڈھنگ سکھایا، دکھی دلوں کو مرہم اور تاریک روحوں کو روشن کیا۔ ایک صوفی عالم ہونے کے ناطے ناصرف ان کی ذات روحانی فیض کا منبع تھی بلکہ اس عہد کی فارسی شعری روایت بالواسطہ طور پر آپ اور آپ کے مریدین کے کمالِ فن سے مسلسل فیض یاب ہو رہی تھی۔ آپ نے حسن سجزی سے "فوائد الفواد" جیسی مشہور کتاب تصنیف کروائی آپ کا اپنا ذوقِ شعر بھی لاجواب تھا اور گاہے گاہے مشقِ سُخن ہوتی رہتی تھی۔ ان کے اشعار اور چند غزلیات مختلف تذکروں میں محفوظ ہیں جنھیں پڑھ کر آپکی شعری بصیرت اور فنی بصارت کا اندازہ خوب ہوتا ہے ناصرف فنی پختگی بلکہ کلام کی تاثیر اس شیرینی اور لطافت سے دوچند ہو جاتی ہے کہ جو ان کے الفاظ کے انتخاب اور دروبست میں پایا جاتا ہے۔

وقت آں آمد کہ دل از ہر دو عالم بر کنم

این جہاں و آن جہان را در ہم و بر ہم کنم

گر بگوید جان بدہ از چشم پیش وی کشم

ور بگوید سر بنہ در پیش پایش افگنم

مرغِ باغِ قدیم با قدسیاں بودم بسی

چند گاہی شد کہ ہست این فرشِ خاکی مسکنم (7)

"فوائد الفواد" شیخ نظام الدین اولیاء کے ارشادات و اقوالات کا تاریخ وار مجموعہ ہے کہ جس کی ترتیب اس عہد کی اہم ادبی شخصیت حسن سجزی دہلوی نے کی۔ یہ نثری تصنیف فقط ارشادت و اقوالات تک ہی محدود نہیں بلکہ نظام الدین اولیاء کی زندگی کے متعدد گوشوں کو بھی روشن کر کے ہمارے سامنے لاتی ہے۔ روز کی محفلوں کے ادبی ریکارڈ کے طور پر یہ تصنیف ایک روزنامچے کی حیثیت رکھتی ہے جس کی صداقت میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس کتاب کی ترتیب مرشد سے مصلح ومصدقہ ہے ناصرف مذہبی بلکہ ادبی حوالے سے بھی قدیم فارسی ادب کی ہندوستانی تاریخ میں یہ تصنیف ایک بلند مقام کی حامل ہے۔ جسکا اسلوب نہایت سادہ، رواں اور دلکش ہے خصوصاً جو واقعات حسن سجزی نے اپنے مرشد کے حوالے سے پیش کیے ہیں ان کا بیان نہایت مؤثر اور من موہت ہے۔ "فوائد الفواد" کی زبان 'خیر المجالس' کے مقابلے میں شیریں اور دلچسپ ہے ان کے اسلوب کی شگفتگی و لطافت ذہن و قلب دونوں کی راحت کا سامان کرتی ہے۔ ایک مستند ادبی اور مذہبی تصنیف کو اس قدر مؤثر انداز سے پیش کر کے انہوں نے خود کو باکمال شاعر ہی نہیں بلکہ نثار بھی منوایا ہے۔ کہ جس نے مستند واقعات اور صوفیانہ افکار، حالات و واقعات کو فنکارانہ انداز میں محفوظ کرنے کی بنیاد رکھی اسی بناء پر وہ اس کتاب کی تکمیل پر احساسِ تفاخر سے مملو تھے کہ یہ عظیم کارنامہ ان کے ہاتھوں انجام پایا اس کتاب کا مرتبہ اس قدر بلند تھا کہ امیر خسرو نے اپنا سارا کلام اس روزنامچے پر حسن کے نام کر دینا چاہا (8)۔

صفحی کہ جمع کردم تحفہ است پیش یاران

حسن علا سجزی ہست از مید اداران (9)

"مخ المعانی" فکری طور پر اس کتاب کا مختصر اعادہ ہے کہ جس نے حقیقت و تصوف اور خدا و صوفیاء کے باہمی ارتباط و محبت کو موضوعِ سُخن کیا ہے اور اپنے مشن کو صوفیانہ افکار و حدیث اور دیگر اکابرین کے اقوال سے قابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے۔ اس کتاب کو حضرت محبوبِ الہیٰ نے ناصرف قبول فرمایا بلکہ اسے سراہتے ہوئے یہ شعر بھی پڑھا۔

در عشق تو کار خویش ہر روز

از سر گرم زہی سر و کار[10]

عشق حاصلِ تصوف ہے اور یہی اس کتاب کا بنیادی نقطہ اور عشقِ حقیقی کی مؤثر وضاحت مصنف کا منتہا ہے۔ عشق روحِ کائنات اور کارگہہ ہستی کی سب سے بڑی فعالیت اور قوت بھی ہے کہ جس کی وسعتیں حیات و کائنات پر محیط ہیں۔ یہ عشق صد ہا رنگوں سے خاکِ آدم کو منور کرتا اس نورانی سلسلہ کو دراز کرتا ہے کہ جس کی انتہا عرشِ اولیٰ اور وہ جلوہءِ ہزار رنگ ہے کہ جسے محبوبِ حقیقی پکارتے ہیں۔

"سخن عشق را چاشنی دیگر است اگر چہ اربابِ فضل و اصحاب علم در صحرائی

بیان۔ جوئی معانی رواں کردہ اند اماں چشمۂ عشق آب دیگر دار قلم چوں **غواص**

دریائی عبارت سر چشمہ عشق رسد از جولان زدن تصرف و تکلف باز ایستد

وند اند کہ چگونہ می باز یافت۔

شد تخم عشق این چشم سرزاں دار مش چوں تخم تر

یارب چہ شواہد داد بر تخم در آب انداختہ "[11]

یہ کتاب عشقِ حقیقی کی متعدد تفسیری داستانوں سے نا صرف جذبہءِ عشق کا تعارف کرواتی ہے بلکہ تاریخی و مذہبی شخصیات کے لیے اپنے محبوب سے پاکیزہ لگاؤ کی جھلک بھی جابجا دکھاتی ہے۔اس سلسلے میں حضرت موسیٰ اور حضرت اویس قرنی کا تذکرہ بالخصوص اہم ہے کہ جن کے محبوبِ حقیقی کائنات کی عظیم ترین اور کریم ترین ہستیاں یعنی ربِ ذوالجلال و رسولِ عربی تھیں،وہ ہستیاں جو عشق و تصوف کا محور و مرکز ہیں۔عشقِ حقیقی کی وضاحت و بیان میں حسن نے غزالی کے اقوال و اقتباسات سے بھی مدد لی ہے نیز سعدی کے شیریں، شگفتہ اور بے مثال اسلوب سے نا صرف انہوں نے استفادہ کیا ہے بلکہ سعدی کے متعدد اشعار سے کلام کو زینت بخشی ہے۔اس کتاب کا اسلوب بھی "فوائد الفواد" کی طرح سادہ،رواں اور شگفتہ ہے لیکن "فوائد الفواد" کے مقابل یہاں زبان دانی میں فارسی پر عربی عنصر غالب ہے۔"انیس الارواح" ان کی تیسری تصنیف ہے جو آٹھ مجالس میں اخلاقیات ،مذہبیات اور تہذیب و تمدن اور انسانی مسائل کو حدیث و سنت کی روشنی اور

شریعت کی رو سے بیان کرتی ہے۔ نیز تمام انسانی طبقوں کے حقوق و فرائض سے متعلق بحث اور نتائج بھی اس تصنیف کا حصہ ہیں۔

نصیر الدین چراغ دہلوی بھی سلسلۂ چشتیہ کے اہم بزرگ ہیں۔ اودھ میں پیدائش کی بناء پر انہیں محمود اودھی بھی کہا جاتا ہے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیا کے بہت قریب اور ان کے خاص شاگردوں میں شامل تھے۔ وقتِ وصال حضرت نظام الدین نے انہیں اپنا خلیفہ ءِ راشد مقرر کیا۔ آپ بھی اپنے مرشد کی طرح بادشاہوں سے دور اور عوام کے قریب تھے۔ آپ متعدد بار محمد بن تغلق کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے مگر صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ لوگوں کے اصرار کے باوجود آپ نے محمد بن تغلق کے لیے بد دعا نہ کی بلکہ اس کی طرف سے دی گئی اذیتوں اور ہزیمتوں کو مصلحتِ خداوندی تصور کیا اور راضی بارضا رہے۔ آپ شاعر اور سُخن فہم تھے۔ "خیر المجالس" اور متعدد تذکروں میں آپ کے کئی اشعار و قطعات ملتے ہیں۔ ایک صاف باطن، نرم دل اور محبت پرست صوفی ہونے کی بنا پر ان کے اشعار و قطعات میں حیات و کائنات کے حوالے سے متعدد سوالات و فلسفیانہ نکات سر اُٹھاتے ہیں۔ جبر و قدر کے فلسفے کا اظہار ان کے ہاں کئی جہات سے سامنے آتا ہے لیکن ان سب استفسارات اور تلخیوں کا ثمر تسلیم و رضا ہے کہ جو انسان کا مقصد و منصبِ تخلیق ہے اور جس کی سب سے بڑی مثال خود ان کی ذات تھی کہ جس نے خدا اور خدائی دونوں کے ہاں فروغ پایا۔ "مقالات الشعرا" میں ان کی جو غزل موجود ہے وہ ان تمام فنی محاسن کا ثبوت ہے کہ جو اس عہد کی فارسی شاعری کی شان تھے۔ درج ذیل اشعار میں جذبے کی سچائی، فنی پختگی، ذوق و شوق و قادر الکلامی اپنا تعارف خود کرواتی ہے۔

بی کارم و باکارم جوں مد بحباب اندر

خاموش و گویانم چوں خطبہ کتاب اندر

ای زاہد ظاہر بیں از قرب چہ میپرسی

او در من و من دروی چوں بو بگلاب اندر

از فلسفہ و منطق جز عشقِ نفہمیدم

چندان کہ نظر کردم شبہا بہ کتاب اندر

در سینہ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد!

ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر (12)

آپکی دیگر ادبی خدمات میں مجموعہ ءِ مکاتیب، 'صحائف السلوک' اور مجموعہ ءِملفوظات 'خیر المجالس' ہے۔ صحائف السلوک خواجہ خیر الدین، خواجہ سدید الدین، خواجہ حسام الدین کے نام ان خطوط پر مشتمل ہے کہ جو تصوف اور راہِ سلوک کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے ان کی حقیقت و عمل کو آشکار کرتے ہیں۔ نیز ان خطوط میں بشری اخلاقیات اور دینی و دنیاوی حقوق و فرائض پر بھی دقیق انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ انہی خطوط میں شکرانے کا وہ خط بھی شامل ہے جو انہوں نے اپنی مزاج پرسی پر شکریہ ادا کرتے ہوئے حضرت نظام الدین کو لکھا تھا۔ ان خطوط کی ایک اہم بات ان میں عربی و فارسی اشعار کا بر محل استعمال بھی ہے۔ مگر اس الجھن کا خاتمہ نہیں ہوتا کہ یہ اشعار کن شعرا کے ہیں کیونکہ اشعار کے ساتھ حوالہ یا نام درج نہیں ہے۔ اس ابہام سے ایک خیال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ اشعار خود ان کے ہوں لیکن اس حوالے سے کوئی استناد موجود نہیں اور نہ ہی یہ بات کھلتی ہے کہ آیا یہ اشعار اس عہد کے دیگر ہندی شعرا کے ہیں لیکن ان خطوط و اشعار کو پڑھ کر آپکے ذوق اور وسعتِ علم و نظر کا اندازہ خوب ہوتا ہے- "خیر المجالس" مجموعہ ملفوظات کے مرتب حمید قلندر تھے جو خود بھی ایک بلند پایہ شاعر تھے مگر بعد ازاں انہوں نے صوفیاء کے حلقہ ءِارادات میں داخل ہو کر شعر و شاعری کا سلسلہ موقوف کر دیا۔ مگر "خیر المجالس" کا اسلوب ان کی سخن فہمی و سخن آرائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ "خیر المجالس" سو مجالس یعنی ابواب میں تصوف اور متعلقات تصوف کے بارے میں حضرت چراغ دہلوی کے صوفیانہ افکار و بیان کو واضح کرتی ہے۔ متعدد مجالس کے اختتام پر حمید قلندر نے قطعات و اشعار سے بیان کی کیفیت کو دوچند کیا ہے۔ ان کے ہاں متعدد اشعار میں عقل و جذبے کے مابین عقل کی برتری واضح نظر آتی ہے۔

ہر نامہ کہ از عقل درو فایدہ نیست

جز مہمل و نا مصلح وزایدہ نیست

جوں دعویٰ پیغامبر و معجزہ فی

جوں مجلس دعوت کہ در مایدہ نیست [13]

"فوائد الفواد" کی طرح "خیر المجالس" بھی ایک مرید صادق کے قلم سے اپنے محبوب مرشد کی حیات و کارناموں کی عظیم دستاویز ہے کہ جس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے فرامین، ان کے وعظ و نصیحت، ان کی زبانی بیان کردہ واقعات و حکایات، دین کی راہ میں سلوک کی منازل ان تک رسائی اور ان کی کامیابی نیز تصوف کے وہ اہم وحساس معاملات کہ جن میں ہزاروں نکات پوشیدہ ہیں نہایت خوبی سے بیان کیے ہیں۔ زبان و بیان کے حوالے سے بھی یہ کتاب ایک اہم تصنیف ہے کہ سینکڑوں برس کی قدیم فارسی زبان آج کے دور میں بھی پڑھنے پر زندہ و جاوید محسوس ہوتی ہے۔ طرزِ بیاں نہایت سادہ اور رواں ہے۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ یہ کتاب نا صرف فرامین و نکاتِ تصوف کا مجموعہ ہے بلکہ نصیر الدین

دہلوی، ان کے حلقہ احباب اور عوام پر محمد بن تغلق کی طرف سے ڈھائے گئے مظالم جس میں بادشاہ کا صوفیا سے ناروا سلوک بالخصوص چراغ دہلوی کی ذلت و ایذارسانی، انہیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے میں جبراً شریک کرنا، کپڑے پہنانے والا ملازم رکھنا، متعدد مواقع پر ان کی تحقیر کرنا، دیگر صوفیا اور ان کے مریدین کو اذیتیں دے کر قتل کروانا اور عوام پر ظلم وجبر کے سینکڑوں واقعات پڑھنے والوں کی آنکھیں نم کر جاتے ہیں۔ یوں یہ کتاب دینی و اصلاحی ملفوظ سے آگے بڑھ کر اپنے عہد کی سیاسی و سماجی تاریخ بن جاتی ہے کہ جس کا ہر واقعہ دل سوز اور ہر حقیقت چشم کشا ہے۔ اس کتاب کی دوسری بڑی خصوصیت ایک ایسی کامل صوفیانہ دستاویز ہونا ہے کہ جو آنے والے تمام خانقاہی سلسلوں کی راہ نما ثابت ہوئی ہے چنانچہ علم و فضل، حلم و فقر، قناعت و درویشی کے اس خزینے نے صوفیاء، خلفاء اور مریدین کی روحانی تربیت کا فریضہ بخوبی ادا کیا۔ ادبی حیثیت سے بھی یہ کتاب اس وقت کی شعری و نثری تصانیف میں قابلِ قدر تصور کی جاتی تھی۔ عربی فارسی شاعری کے استاد شعرا کے کلام کا ایک بڑا حصہ بھی اس کتاب کی زینت ہے جو موقع و محل کے مطابق چراغ دہلوی کے منہ سے نکل جاتے تھے اور حمید قلندر انہیں موتیوں کی طرح چن کر اسلوب وبیان کی تسبیح پرو لیا کرتے تھے۔ مجموعی طور پر یہ کتاب دینی و ادبی ہر دو حوالوں سے ہندوستانی فارسی شاعری کی روایت کا ایک اہم اضافہ وسنگِ میل ہے۔ ایک طرف تو یہ رشد وہدایت کا نور ہے اور دوسری طرف اس عہد کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی تاریخ ہے کہ جس کے آئینے میں عہدِ تغلق کا ہندوستان متحرک نظر آتا ہے۔ استاد فارسی شعرا کے کلام کی شیرازہ بندی کی بدولت اس کتاب میں خشک عالمانہ پن پیدا نہیں ہو سکا بلکہ شگفتگی ورنگینی سے اس کا اسلوب مزین ہے۔ حسن سجزی کی طرح حمید قلندر کا ادبی و دینی کارنامہ بھی مرشد کی بارگاہ میں مستحسن ومصدق ہے۔

سیر الاولیاء:

کے مصنف سید محمد بن مبارک کرمانی المعروف خورد سلسلہ ءِ چشتیہ کے بزرگوں میں سے ہیں ان کا تمام تر خاندان سلسلہ ءِ چشتیہ کے عظیم بزرگوں میں شمار ہوتا ہے۔ علمی و مذہبی ہر دو حوالوں سے وہ اعلیٰ تعلیم و تربیت سے بہرور ہوئے اس سلسلہ کے دیگر صوفیا کی طرح وہ اور ان کا خاندان بھی شاہی ظلم و ستم کا نشانہ بنا اور انہیں دہلی چھوڑ کر دولت آباد ہجرت کرنی پڑی۔ وطن اور اجداد کے مرکز سے دوری، حالات کے ستم اور مجبوری پر وہ رنجیدہ خاطر رہتے تھے کہ نہ تو دین کی پوری طرح خدمت کر سکے اور نہ ہی پوری طرح دنیا کو اختیار کر سکے۔ ایسے حالات میں حضرت نظام الدین اولیا نے خواب میں ان کی قلبی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہوئے انہیں چشتیہ سلسلے کی مکمل تاریخ لکھنے کا امر دیا یہ تاریخ "سیر الاولیا" کے نام سے مشہور ہے۔ چشتیہ سلسلہ کی یہ ایک اہم دستاویز ہے کہ جس میں مشائخِ چشتیہ کے سوانحی حالات، واقعات، علم و فضل و کرامات، مورثان اعلیٰ، خاندانی سلسلوں، اعزہ و اقربا کے سوانحی حالات و کارنامے، مریدین خلفا اور حضرت نظام الدین کے احباب عالی قدر کا تذکرہ بھی مفصل ملتا ہے۔ اس تفصیل کا اہم ماخذ خود ان کی ذات ہے کہ امیر خورد تقریباً لڑکپن سے ہی نظام الدین اولیا کی محافل و مجالس میں شریک ہو کر روحانی فیض حاصل کرتے رہے تھے اور محمد بن تغلق و فیروز تغلق

کے عہد تک حیات رہے یوں وہ ان تمام لوگوں سے واقف اور حالات کے چشم دید گواہ تھے کہ جو اس عہد میں پیش آئے" سیر الاولیا" حضور اقدس کی ذات پاک اور ارشادات سے شروع ہو کر خلفاءِراشدین و صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے بعد چشتیہ بزرگوں کے حالات و تعلیمات پر اپنا اختتام کرتی ہے۔ لیکن اس کتاب کی عظمت فقط یہی نہیں کہ یہ سلسلہ دین و تصوف کی شیرازہ بندی ہے بلکہ ادبی و تاریخی حوالے سے یہ آج تک ایک مستند تاریخی حوالہ ہے کہ جس میں ہندوستان کا مسلم عہدِ نو جیتا جاگتا سانس لیتا محسوس ہوتا ہے۔اس کتاب کا اسلوب اعلیٰ علمی و ادبی نثر کا نمونہ ہے کہ جس میں حالات و عبارات کے بر محل قدما و معاصرین شعرا کا شعری خزینہ اس کے اسلوب میں لطافت و تازگی کی چاندنی چٹکتا ہے اور اسے مزید قابلِ قبول بناتا ہے۔ امیر خورد اعلیٰ علمی و ادبی ذوق سے مالا مال تھے یہ ذوق اس حسنِ انتخاب سے بھی کھلتا ہے کہ جو انہوں نے کتاب کے لیے سعدی، امیر خسرو، سنائی، عطار اور ہمام کے اشعار کے انتخاب و پیشکش کے سلسلے میں دکھایا ہے ۔امیر خورد خود بھی اچھے شاعر تھے اس کتاب میں سلسلہءِ چشتیہ کے بزرگوں کی شان میں لکھے گئے اشعار ان کے اعلیٰ علمی ذوق تبحرِ علمی، فنی پختگی، قدرتِ بیان، سخن سنجی اور پر گوئی پر دال ہیں۔

ای سیدِ پاک و پاک زادہ

در عالمِ حسن داد دادہ

از روئی تو کافتاب حسن است

شوریست درین جہاں فتادہ

آری سر زلف گیسوانت

بوئی بہ نسیم صبح دادہ(14)

شعری لطافت سے بڑھ کر یہ کتاب فارسی نثر کے میدان میں ایک شاہکار ہے کہ جس میں خانقاہی نظامِ حیات، مقبول و معروف صوفیا کے مشاغل، ذکر اذکار و وظائف اور ان کی اقسام، محافلِ سماع و بے خودی، وجد و جلال کا بیان، اہلِ علم کے مباحث، صوفیانہ طبقات کی تفصیل، علم الکلام و عقائد کے انداز اس عہد کی مقبول کتب بالخصوص کشاف، مشارق الانوار ، عوارف المعارف، بزودی، رسالہ الغزلی، ہدایہ، مجمع البحرین، تفسیر مالکی، فوائد الفواد کی شہرت و مقام بخوبی واضح کیا گیا ہے اس عہد کے مشہور فارسی و اردو شاعر امیر خسرو سے متعلق بھی اہم مواد اسی کتاب میں موجود ہے یعنی خسرو کے کلام کی مقبولیت سماع کی محفلوں میں اس کلام کی ادئیگی، مشہور قوالوں کا فن اور ان کی عقیدت کا احوال، اس عہد کے مشہور شعرا یعنی امیر سجزی، ضیاء الدین برنی اور امیر خسرو سے امیر خورد کا رسم و سلوک اور بالخصوص سماع کے حوالے سے اس کتاب

میں خاطر خواہ مواد و حقائق دستیاب ہیں۔ سماع سلسلہِ چشتیہ کا ایک اہم رکن ہے کہ جس کے دلدادہ سلسلہ ءِ چشتیہ کے تقریباً تمام تر بزرگ اور ان کے پیروکار رہے۔ اور آج بھی محافلِ سماع اس صوفیانہ سلسلے کی اہم کڑی شمار کی جاتی ہیں۔ امیر خورد کے نزدیک سماع کی ہر دلعزیزی کا سبب خواجہ نظام الدین کی ہمہ جہت شخصیت تھی جن کی شعر و ادب اور موسیقی میں دلچسپی نے فن کے اس معمولی نقطے کو بامعنی، پر تاثیر اور روحانی وجد کا محور بنادیا اس حوالے سے ان کا بیان ہے کہ:

"چوں آفتاب دولت و کرامت و عظمت حضرت سلطان المشائخ بر جہانیاں طالع گشت و شوق و سماع در علماو فضلاء و صدور و اکابر، وضیع و شریف دور و نزدیک کہ در جبلتِ ایشاں چاشنیِ عشق نہادہ بودند، رسید و غلغلہ در عالم افتاد ولولہ عشق درد نہائی ایشان جنید وکارِ عاشقی و عشقباری و سماع در جہاں از سر تازہ شد و عالم بوستانی گشت چنانچہ خواجہ ثنائی گوید"(15):

زینجا نفیر ریز دوزانجا نوائی نائی

آنجا خروش عاشق دا ینجا نشاطِ یار

بر ہر طرف بہشت ودر ہر بہشت حور

در ہر چمن نگاہی ودر ہر نگاہِ یار

روئی زمین زشاہد گل پر زور نگار

شاخِ شجر چوں گوش عروسانِ شاہوار(16)

سلسلہ چشتیہ کے احوال و آثار کے علاوہ یہ کتاب اس عہد کی زندہ تاریخ بھی مرتب کرتی ہے کہ جس میں اس عہد کے ہندوستان بالخصوص دلی اور اس کے مضافات اور عہدِ تغلق کے اثر پذیر علاقوں کی مذہبی، سماجی و معاشرتی زندگی کی جھلکیاں بخوبی دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس حوالے سے بالخصوص نظام الدین اولیا سے اس عہد کے علماء کا مناظرہ بعنوان "مخالفتِ سماع "اہم ہے کہ جس میں مولانا وجیہہ الدین پائلی اور مولانا فخر الدین زرادنے خصوصی شرکت کی تھی اور نظام الدین اولیانے اس موقع پر قرآن و حدیث کے مستند حوالے پیش کیے لیکن مذہبی علما کی ہٹ دھرمی اپنی جگہ قائم رہی ایسے میں انہوں نے نکتہ چینی کرتے ہوئے بیان فرمایا تھا کہ جس شہر کے علماء احادیثِ پیمبر پہ ایمان نہ لائیں تو ان پر عذابِ الہٰی بصورتِ قحط و با کیوں نازل نہ ہو؟ امیر خورد نے برنی کے "حیرت نامہ" سے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ چار سال بعد وہ تمام علما بحکمِ

سرکار دیوگر ہجرت کر گئے تھے جنہیں مختلف مہلک وباؤ اور بدترین قحط نے آن دبوچا اور وہ سالوں تک اس عذاب سے نجات نہ پا سکے۔ یوں یہ کتاب نا صرف احوال بلکہ ان کی مصدقہ کرامات کا تذکرہ بھی متعدد مقامات پر کرتے ہوئے، سلسلہء تصوف کے ان بزرگوں کی صاف طنیتی اور بارگاہِ خداوندی میں ان کی مقبولیت کہ بھی آشکار کرتی ہے۔ صوفیانہ احوال و آثار کے علاوہ شہر دلیّ کے گلی کوچوں، محلّوں کی تفاصیل، معاشرتی طرزِ مسکنت، ہر نوع کے لوگوں کے رہن سہن، لباس، خوراک، عادات، پیشے، ذرائع آمدورفت، امراض اور ان کے علاج، تہوار اور ان کے رنگ غرض زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ بخوبی کرتے ہوئے ایک مستند صوفیانہ ہی نہیں تاریخی و سماجی دستاویز کی حیثیت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ گو کہ اس کتاب میں عوامی اعتقادات و توہمات سے متعلقہ بیانات پر بعض مذہبی ناقدین نے اعتراض کرتے ہوئے انہیں قبولنے سے انکار کیا ہے لیکن اس بات سے اس کتاب کی عظمت و اہمیت پر حرف نہیں آتا کیوں یہ کتاب اپنی ہمہ جہتی کی بنا پر مذہب ہی نہیں بلکہ تاریخی، ادبی و تہذیبی سطح پر بھی ایک بلند مقام رکھتی ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے نا صرف صوفیانہ سلسلے کے چراغوں کو روشن رکھا بلکہ اس عہد کی تاریخ خالص ترین انداز سے رقم کرتے ہوئے محققین و مؤرخین پر احسان کیا ہے۔

شرف الدین یحییٰ منیری المعروف مخدوم الملک: سلسلہء سہروردیہ کے فردوسیہ سلسلے سے منسلک تھے۔ آپ نے بچپن سے ہی صوفی کا مسلک اختیار کرتے ہوئے ریاضت، مجاہدہ اور فقر و فاقہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ چشتیہ سلسلے کے صوفیا کے برعکس آپ کے تعلقات محمد بن تغلق سے خوشگوار تھے نیز اس عہد کے تمام صوفی بزرگ بھی آپ کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت اپنی آخری عمر میں آپ کے لکھے خطوط کا مطالعہ دلچسپی سے کیا کرتے تھے۔ آپ ایک با عمل صوفی ہونے کے علاوہ اعلیٰ پائے کے انشاپرداز تھے کہ جن کی تحریر و تقریر سے ان کا تبحّرِ علمی اور ذوقِ عالی چھلک چھلک پڑتا ہے۔ آپ نے عوام وخواص کی ہدایت اور دینی و دنیاوی وظائف کی وضاحت کے لیے متعدد رسائل تحریر فرمائے۔ یحییٰ منیری کے بہت سے اقوال، اقوالِ زریں کی صورت میں مشہور ہو کر لوگوں کے لیے حاصلِ زیست اور جزوِ حیات بن گئے تھے۔ آپ کے خطوط دینی، دنیاوی اور ادبی حوالے سے اہم حیثیت کے حامل ہیں۔ درحقیقت یہ خطوط تصوف، دین، شریعت، اور طریقت کے ان تمام مسائل و معاملات کا وضاحتی و تشریحی بیان ہیں کہ جو لوگوں نے اپنی تشفی و حصولِ علم کے لیے آپ سے سوالات کی صورت میں پوچھے تھے۔ آپ ایک با عمل صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ عالم بھی تھے چنانچہ ان خطوط میں اس سے پہلے اور اس عہد کے بڑے بڑے علما و فلسفیوں کے فلسفیانہ و عالمانہ نکات کا بیان بھی وضاحتی حوالوں میں خوب ہوا ہے۔ خصوصاً محی الدین ابنِ عربی، امام غزالی، فرید الدین عطاّر، عین القضاۃ ہمدانی اور جلال الدین رومی کے افکار کی جھلک جابجا اپنی صورت دکھاتی ہے۔ متعدد مقامات پر ان کے افکار امام غزالی سے مشابہ محسوس ہوتے ہیں اور ان کا فلسفہء علم وحیات ہمیں غزالی کے فلسفے کی بازگشت معلوم پڑتا ہے۔ صوفیانہ نظریات کی تبلیغ میں یہ خطوط وحدت الوجودی فلسفے کے حوالے سے بالخصوص قابلِ ذکر ہیں کہ اس میں محبوبِ حقیقی کی شناخت، راہِ

سلوک کا اختیار، حقیقت شناسی کے اس سفر کی مختلف منازل اور ان میں درپیش مشکلات پہ تسلیم و رضا کا قرینہ، عشق کے خارزاروں میں روح کی فریاد اور ان گنت مشقتوں اور مصائب کے بعد "گوہرِ مقصود" محبوبِ حقیقی کا دیدار، یعنی وجود کا اپنی حقیقت، قطرے کا سمندر اور خاک کے جوہر ہونے کی لذت و بیان پر تاثیر انداز سے موجود ہے۔ علمی و دینی جواہر کا یہ خزینہ "سہ صدی مکتوب" کے نام سے مشہور ہے، جن کی مجموعی تعداد تقریباً200 تھی جن میں سے بیشتر ان کی لحد میں ان کے ساتھ ہی دفن کر دیئے گئے۔ ان خطوط کا محرک قاضی شمس الدین تھے کہ جو ان کی محافل میں باوجوہ شرکت سے معذور تھے چنانچہ تصوف و معرفت سے متعلق اپنے سوالات کے تسلی بخش جواب کے لیے انہوں نے استفساریہ خطوط کا وسیلہ اختیار کیا۔ آپ نے قرآن و حدیث کے استناد، اپنی علمی وسعت اور زیرک نگاہی سے نا صرف ان کی ذہنی و قلبی تسکین کی بلکہ ان پہلوؤں پر بھی گفتگو فرمائی کہ جو استفسارات میں موجود نہ تھے۔ یہ خطوط اپنے عہد کا اہم علمی و دینی شاہکار ثابت ہوئے کہ ان کی شہرت عوام سے ہوتی حاکمِ وقت تک بھی پہنچی اور محمد بن تغلق نے ان خطوط کے مختلف نکات پر سوالات کیے۔ اس طرح ان خطوط سے اس علمی بحث کا آغاز ہوا کہ جس کا تسلسل تصوف کو محض ایک رسم سے آگے بڑھا کر دلیل و منطق کے ساتھ اثبات کا درجہ عطا کر گیا۔ عہدِ مغلیہ میں بھی ان خطوط کی شہرت برقرار رہی اور اس کے بکثرت نسخے نقل ہوئے، ازاں بعد 1908 میں کانپور سے فارسی ایڈیشن اور 1973 میں بہار سے اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا، 1980 میں پال جیکسن نے خدا بخش لائبریری پٹنہ کے مخطوطے سے استفادہ کرتے ہوئے 100 خطوط کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔
ان خطوط کے علاوہ ان کی دیگر تصانیف میں 'ارشاد السالکین': حیات و ممات کے تفصیلی اور مدلل بیان پر مشتمل ہے کہ جس میں یحیی منیری نے حیات بعد از ممات کا تفصیلی بیان عالمِ جبروت، لاہوت، کسوت و سوت کے حوالے سے کیا ہے۔ بشر اور اس کی ظاہری و باطنی صفات، اچھائی کی حوصلہ افزائی اور برائی کا ردّ، نفسِ امارہ ولوامہ کی کشمکش و تسخیر، حقیقی مقام اور اس کے حصول کے لئے کشاکش مستند حوالوں و مثالوں سے واضح کی گئی ہے ان کے نزدیک عناصرِ کائنات آگ، ہوا، پانی، مٹی کی تخلیق خاص مقاصد کے تحت ہوتی ہے جن کا سمجھنا ایک صوفی پہ لازم ہے۔ اسی طرح روح، عقل، عشق بھی بشر کے لئے نہایت قیمتی چیزیں ہیں جنہیں کام میں لا کر ہر شخص اپنی اور کائنات کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ ایک عارف کے لئے نفس کے بندھنوں سے آزادی اور روح کی تقویت لازم ہے۔ 'انیس العشاق': تصوف کے روایتی تذکرے پر مشتمل ہے، جس میں عضوہائے انسانی کا تذکرہ انکے خاص وظائف کے تحت کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک عضو کسی خاص وظیفے اور خواص پر مشتمل ہے، یحیی منیر نے زلف سے لیکر گردن تک کے تمام سلسلوں کا ذکر صوفیانہ ادراک کے تحت تفصیلاً کیا ہے کہ عشقِ حقیقی میں لب ور خسار، زلف و ابرو، آنکھ و پیشانی، دندان و دہان، زنخنداں و گردن وغیرہ کا کیا مقام ہے نیز ان کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے انہوں نے نا صرف احادیث کو نقل کیا ہے بلکہ سعدی، نظامی، فردوسی، کرمانی، خواجو اور خاقانی کے بیشتر اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ "فواید المریدین" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب یحیی منیری کے اقوال، افکار و تعلیمات کو ان کے مریدین تک پہنچانے کے لیے نقل کی گئی ہے تا کہ وہ اس سے بوقتِ ضرورت فیض یاب ہو سکیں۔ یہ کتاب ایک مکمل ہدایت نامہ ہے جس میں دونوں جہانوں کی زندگی سے متعلق بیان و تفصیلات قرآن و حدیث کی روشنی میں

موجود ھیں نیز یہ کتاب مرد و عورت، آقا و غلام، باندی و بیوی کے حقوق و فرائض سے متعلق بھی تفصیلی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس کتاب کی تدوین عتیق اللہ نامی شخص نے رواں اور سلیس فارسی زبان میں کی ہے۔ 'معدن المعانی' بھی ایک ہدایت نامہ ہی ہے کہ جس کے مضامین بھی تقریباً وہی ہیں کہ جو سابقہ کتابوں کے ہیں اس کتاب کی تدوین ان کے مرید زین بدر عربی نے نہایت محنت و جانفشانی سے کی ہے۔ تاکہ مرشد کے افکار و خیالات ملک و بیرونِ ملک ان کے مریدوں تک باآسانی پہنچ سکیں۔ اس کتاب کی خاص بات اس عہد کی دیگر مشہور صوفیانہ کتب 'ہدایہ'، 'کشف المحجوب'، اور 'عوارف' کا کثرت سے تذکرہ ہے کہ جس سے راہِ سلوک کے سلسلے واضح ہونے میں استناد اور ان کتب کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ دیگر صوفیانہ کتب کی طرح یہ کتاب بھی اشعار و قطعات کے بر محل استعمال سے مزین ہے۔ 'خوانِ پر نعمت' ایک ضخیم رسالہ ہے جو 48 مجالس پر مشتمل ان کے علمی و اصلاحی بیان کے ساتھ ساتھ احادیث، اور اقوال و اقتباساتِ مشاہیر پر مشتمل ہے، اس رسالے کی اہم بات یحیی منیری کی عملی شخصیت کی تفسیر ہے کہ جو سیرتِ رسول کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک پر لطف رسالہ ہے جو ہدایتی بیانات کے ساتھ نصیحت آمیز اور پر لطف حکایات سے بھی بھرا ہوا ہے۔

ضیاءالدین نخشبی: ایک صوفی بزرگ ہیں جن کا آبائی وطن ترکستان تھا مگر ہجرت کے بعد انہوں نے بدایوں کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنایا اور ساری زندگی ہر قسم کے رشتوں اور بندھنوں سے دور راہِ سلوک پر گزار دی۔ نخشبی صوفی ہی نہیں بلند پایہ شاعر اور نثّار بھی تھے۔ 'شرح دعائے سریانی' کا ترجمہ انہوں نے عربی سے فارسی میں کیا مگر اس ترجمے کی اہمیت یہ ہے کہ یہ محض لفظی و کلامی ترجمہ ہی نہیں ہے بلکہ شرح وبسط کی خوبیوں اور اضافوں کے ساتھ بزرگ صوفیا کے سینکڑوں واقعات کو بھی ترجمہ و تفسیر کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ انہوں نے "دعائے سریانی" میں موجود اشعار کو ترجمہ کرتے ہوئے ان کی تفسیر بھی پیش کی ہے اور بعض جملوں اور پیراگراف کے اختتام کو اپنے فارسی قطعات سے مزین کیا ہے۔ یوں یہ کتاب محض ترجمہ سے آگے بڑھ کر تخلیق کے نزدیک پہنچ جاتی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مقصدِ تخلیقِ آدم اور اطاعت و مئودتِ الٰہی پر زور دے کر بشر کو اس کی ازلی آزادی اور یومِ الست کے وعدے کی پاسداری پر مائل کیا ہے۔ چنانچہ وہ یادِ الٰہی کو سب سے افضل عبادت گردانتے ہوئے بشر کو اس کی طرف پلٹنے کی دعوت دیتے ہیں۔

نخشبی یادِ حق قوی چیز است

گفت بی ذکر جملہ خاموشیت

ہر چہ از یاد حق برون باشد

آن نہ یاداست آن فراموشیت (17)

نخشب نامہ:

معرفت و تصوف کے حوالے سے ایک اہم تصنیف ہے "چھل ناموس" اور "سراپائی حسن" اسی کتاب کے نسخے ہیں جن میں کسی قدر تبدیلی ملتی ہے۔ یہ تفریق ان کے کاتبین کی وجہ سے ہے۔ لیکن تینوں نسخوں کا موضوع ایک ہی ہے جو خُدائے واحد کی شناخت، دنیا کی بے ثباتی اور اس جہان فانی میں انسان کے عارضی قیام سے متعلق ہے۔ جیسے کے پہلے " انیس العاشقین" کے حوالے سے بھی بیان ہوا کہ صوفیا، بشر اور اس کے اعضائے جسمانی کو اس جہان فانی میں خدائے ذوالجلال کی امانت گردانتے ہوئے ان کے بااحسن استعمال پر زور دیتے ہیں "نخشب نامہ "میں بھی ان تمام اعضائے انسانی کے ساتھ ساتھ ان کی کیفیت، خصوصیت اور اثرت کے بعد انکا طبی علاج اور نتیجے پیش کیئے گیے ہیں اور دوران بیان بہت سی احادیث وواقعات وحکایات کو پُر اثر انداز میں نقل کیا گیا ہے۔ زخنداں کے ذکر میں حضرت یوسفؑ وزُلیخا کے قصہ ءِالفت کو احسن طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ ان نسخوں کے شروع میں صرف اشعار وبیان کے حوالے سے انفرادتو موجود ہے مگر موضوع متواتر انداز سے ایک ہی ہے۔ جو دنیا کی بے ثباتی میں انسانی مقام وکام کو مختلف حوالوں سے بیان کرتا ہے۔ اس بیان کی ابتدا اعضا کے حوالے سے سر یعنی صدر مقام کے بالوں سے ہوتی ہے۔ ہر عضو کی تشریح وتفسیر کے ساتھ غزل کے اشعار اثر کو دوچند کردیتے ہیں۔ انسانی اعضا کے شاعرانہ تعارف وحسن بیان ومعانی کے حوالے سے یہ اشعار وتصنیف واقعی قابل قدر ہیں۔ پیشانی جو فرد کے تعارف کا پہلا پڑاؤ ہے اس کے حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اگر کنی نفس آشکار پیشانی

بزیرپات نہم بندہ وار پیشانی

سراز دریچہ برون کُن چو من ہزار جبیں

نہادہ پیش در تو قطار پیشانی

نہ ہیچو نخشبی آخر کسی است چند نہد

بزیرپائی تودرخاک خوار پیشانی (18)

پیشانی کے بعد آنکھ انسانی وجود کا دوسرا اعلی ترین عضو ہے۔ جو محافظ بھی ہے، عاشق بھی، محبوب بھی اور جستجو میں پیہم مگن تلاشِ رخ یار کی لگن سے بے چین، تطہیرِ نفس وقلب کے لیئے آب نمکین، اسرار عشق کی امیں، کارزار عشق کا ہراول دستہ یہی آنکھ ہی ہے کہ جو محبوب کے نیّر تاباں حسن کے وار خود پہ سہتی اپنی ناطاقتی کے باوجود محبوب سے نگاہیں چار کرتی

داستان عشق کے ورق رقم کرتی ہے۔وہی عاشق ہے وہی معشوق اور اسی کے دم سے کارزار حیات اور میدانِ عشق میں رونق ہے:۔

تارویتو دیدنا گہاں چشم

ناسودز گریہ یک زمان چشم

چشمی کہ نہ روئی دوست بنیند

مردم چہ کند خود آنچنان چشم (19)

چنانچہ اسی طرح تمام اعضائے جسمانی کی فرائض و اہمیت کی تشریح کو نخشبی نے حکایتوں اور غزلیات سے مزین کرتے ہوئے تصوف کی اس کتاب کو فن پارہ بنا دیا ہے۔صوفیانہ موضوعات کی اُن حکایتوں میں زندگی میں عمل و رد عمل کے حوالے سے بہت سے نکات پوشیدہ ہیں۔جہاں ان تینوں نسخوں کے بہت سے خصائص ہیں وہیں عورت کے حوالے سے نخشبی کی منفی رائے جو کہ در حقیقت اس عہد کے سماجی و دینی احوال ہی کی عکاسی ہے، بہر حال کھٹکتی ہے کہ جسمیں عورتوں کو ایک فتنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔عشق، حسن تصوف کے حوالے سے اس اہم و ضخیم کتاب کا اختتام اکتیس سو اٹھائیس اشعار کی اس مثنوی پر ہوتا ہے کہ جس کے آخری اشعار قلم کی اہمیت، عظمت اور کردار کے حوالے سے اہم ہیں۔ یہ کتاب بلاشبہ نخشبی کی شاعرنہ وفنکارانہ فطرت، پر گوئی اور قادرالکلامی پر دال ہے "سلک السلوک" بھی ایک اور صوفیانہ کا رنامہ ہے کہ جس میں فرد سے کائنات، عمل سے نتیجے، زمین سے زماں، زندگی سے لے کر موت، حیات سے لے کر عالم برزخ تک کے تمام مضامین احاطہ ءقلم میں آتے ہیں۔ نخشبی ایک باعمل صوفی تھے چنانچہ عشقِ حقیقی، انسانیت کی بھلائی و اُنسیت، دوستی جیسے قیمتی خزینے کا حصول اور نگاہ داری، قلب کی صفائی، تجرّد، قناعت، شکر، تواضع، تقوی وغیرہ سے متعلق تعلیمات اس دینی و ادبی شاہکار کا حاصل ہیں۔ انسان و خدا، دین و دنیا، تعلیم و عمل، حیات و اس کی کارگزاری، فرائض و حقوق سے متعلق انہوں نے فقط اپنی فکر و تدبیر پر ہی بھروسہ نہیں کیا بلکہ دیگر صوفیا و علما کی تعلیمات پر بھی نظر کی ہے ۔کیونکہ ان کے نزدیک خود پسندی تکّبر کے زمرے میں آتی ہے چنانچہ انہوں نے تصوف و سماج سے متعلقہ ہر موضوع کے بیان میں بزرگ صوفیا علما و مشائخ کی نا صرف تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے بلکہ ان تعلیمات و تفکرات کا نچوڑ "سلک السلوک "میں اقوال و اقتباسات اور نتائج کی صورت میں پیش بھی کیا ہے۔سب سے اہم بات یہ کہ اپنی شعر گوئی و قادرالکلامی سے انہوں نے ان مذہبی تصانیف میں بھی وہ گل بوٹے کھلائے ہیں کہ ان کا مرتبہ اس عہد کے ادبی شاہکاروں کے برابر آن ٹھہرتا ہے "سلک السلوک "شاعری ہی نہیں نثر کا بھی شاہکار ہے کہ جس میں نخشبی نے زیر بحث موضوعات سے متعلق بہت سی حکایات اور کہانیاں سلیس و لطیف انداز میں پیش کرتے ہوئے عظیم انسانوں، پیغمبروں، صوفیا، مشائخ، شعراء و ادبا

اور بادشاہان کی مثالیں بطور سند پیش کی ہیں اور قرآنی آیات کو کثیر تعداد میں اپنے بیان کی تقویت کے لیئے استعمال کیا ہے ۔انتقام کی خواہشیں، تمنا کی لاحاصلی، مایوسی و بے وفائی کا رویہ، دنیا کی بے ثباتی، وقت کی اہمیت، قناعت و فقر کی عظمت اور ہیچ مدانی، عفوو درگزر، خدائے بزرگ وبرتر کی بزرگی و جلال، اسلام کی اکملیت و ادیان میں اس کا برترترین مقام، بشر کے لیئے اسلام کی پناہ گاہ و امان فقر و تجرّد کی اہمیت، دولت و نمود کا کھوکھلا پن، ریاکاری کی مذمت جیسے ان گنت موضوعات پہ ان کی فکر کا شعری نچوڑ آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی انسانی صورتحال کے حوالے سے کامل، قابلِ عمل اور حاصل بصیرت نظر آتا ہے۔ طوالت کے پیشِ نظر فقط دو اشعار ہی اس بیان کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیئے کافی ہیں کہ جو انہوں نے زمانے کی سازگاری و ناسازگاری سے نباہنے کے متعلق کہے ہیں۔

نخشبی خیز بار زمانہ بساز

ورنہ خود رانشانہ ساختن است

عاقلانِ زمانہ می گویند

عاقلی بازمانہ ساختن است[20]

یوں "نخشب نامہ" کی طرح یہ کتاب بھی لطیف فارسی ادبی و شعری نمونے کے طور پر فارسی ادب کی صوفیانہ روایت میں اہم مقام کی حامل ہے وہ صوفی تھے اور ان کی تحریروں کا مقصد اصلاح انسانیت و فلاح سماج ہی تھا چنانچہ موضوعات و پیشکش کی یکسانیت ان کی تمام تصانیف میں موجود ہے مگر ان کی شعری و نثری صلاحیتوں نے ان تصانیف کو عمومی مذہبی رسائل سے بلند کر کے اعلی دینی و ادبی تصانیف کا مقام عطا کر دیا ہے۔

سیّد محمد جعفر:

وحدت الوجودی ؒصوفی تھے ان کے اجداد کا تعلق مکہ سے تھا۔ جنہوں نے بعد ازاں ہندوستان کو اپنا مسکن بنایا اور سرہند کے مقام پر آپ کی پیدائش ہوئی۔ لڑکپن تک پہنچتے ہی آپ کا لگاؤ دنیا سے ہٹ کر دین کی طرف ہوا اور انہوں نے ساری زندگی تصوف کی مسافرت میں گزار دی۔ محمد بن جعفر ایک اچھے نثر نگار و شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ سیاح بھی تھے یہ سیاحت صوفیانہ مسلک کا حصہ بھی تھی کہ جہاں صوفی اس دنیا کو کبھی صحرا کبھی گلزار جان کر رب ذوالجلال کی قدرت کے نمونے ملاحظہ کرتا اور خالق کائنات و تخلیق کائنات پر غور و حوض کرتے ہوئے اس وجود حقیقی تک رسائی کے جتن کرتا ہے کہ جو اس تمام رنگینی و تحرک کا منبع و مصدر ہے۔ ان کی متعدد علمی و مذہبی کتب تک رسائی ممکن نہیں مگر جو دستیاب ہیں ان میں "بہارالمعانی" پہلی کتاب ہے کہ جس میں اس محبوبِ ازل کے وجود اس کی حقیقت و شناخت اس کی کھوج کے اسرار اور کھوج

کے مراحل سے متعلق گفتگو کی گئی ہے دوسری کتاب "دقائق المعانی" جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہی لیکن متعدد رسائل دستیاب ہیں جن میں " پنج نکات' اور بہار الانساب "اہم ہیں جن میں امام حسین علیہ السلام کی عظمت، حیات و تعلیمات اور آپ کے ماننے والوں سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ سید محمد جعفر کی تصانیف کا بنیادی محور عشق اور محبوب حقیقی یعنی خدائے ذوالجلال ہے کائنات میں اسی کے حسن کا جلوہ ہے اور تمام صفات اسی کے عکسِ منور و عنبریں کا پَرتو ہے اور بشر کی تخلیق کا مقصد عشق اور فقط عشق ہے، یہ عشق کٹھن بھی ہے اور جاں لیوا بھی مگر ہزاروں مشکلوں کے باوجود صوفی اس راہ سے دور نہیں رہ سکتا کہ اس حسنِ حقیقی سے جدائی سوہانِ روح ہے اور یہی صوفی کا مقصدِ تخلیق بھی ہے چناچہ صوفی جسم تا روح اس عشق کی آگ میں جلتے خاک ہوتے ہیں مگر یہ خاک بھی مراجعت نہیں بلکہ عشق کی اگلی منزلوں تک رسائی مانگتی ہے کہ اس لازوال و بے مثال محبوب کی راہ میں خاک ہو جانا ہی حاصلِ تخلیق ہے محمد بن جعفر نے بھی دیگر صوفیاء کی طرح مروجہ فارسی شعری روایت کی پیروی کرتے ہوئے اپنی نثر کو اشعار و قطعات سے مزین کیا ہے۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت:

چشتیہ و سہروردیہ سلسلے کی اہم صوفی شخصیت ہیں کہ جن کا تبحرِّ علمی اور فقر و تفکر بے مثال تھا آپ سیاحت کے بے حد شوقین اور ایک عرصہ تک ملک اور بیرون ملک بالخصوص مشرق وسطی کی سیاحت پر مائل رہے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سالوں قیام کیا اور وہاں کے علماء اور بزرگوں سے فیض یاب ہوئے اس طویل علمی و روحانی سیاحت کے دوران وہ تقریبا20 بزرگوں سے خرقہءِ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہندوستان میں شیخ رکن الدین ملتانی، شیخ نصیر الدین دہلوی سے بیعت شدہ اور بندہ نواز گیسو دراز کے مصاحبین میں شمار ہوتے تھے محمد بن تغلق نے آپ کو "شیخ الاسلام "کا لقب دیتے ہوئے کثیر تعداد میں زروزمین اور چالیس خانقاہیں بھی ہدیہ کیں جسے کچھ عرصہ بعد واپس کرتے ہوئے سیاحت کے لئے روانہ ہوگئے۔ وطن واپسی پر آپ نے ملتان کو اپنا مسکن ٹھہرایا اور درس و تدریس میں ہمہ تن مشغول ہوگئے ادبی حوالے سے آپ کی شہرت نثر نگار یا شاعر سے بڑھ کر عالم کی ہے کہ جن کی باطنی بزرگی اور علم و فضل بے مثال تھا آپ قرآن و حدیث کے ثقہ عالموں میں شمار ہوتے تھے آپ کی صاف طینیتی اور علم و فضل نے ایک زمانے کو متاثر کیا۔ ان متاثرین میں مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی شامل ہے جو کہ آپکی شخصیت و شہرت سے متاثر ہو کر بالخصوص آپ سے ملاقات کرنے آیا تھا۔ " سیر العارفین "کے مصنف اور عالم اسلام کے سیاح مولانا جمالی بھی آپ کے عقیدت مندوں میں شمار ہوتے ہیں ۔ ایک عالم ہونے کے ناطے آپ کو کتابوں سے بہت لگاؤ تھا اور آپ کے کتب خانے میں نایاب کتابوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ قرآن حکیم کا خاص نسخہ جو اُچہ شریف کی خانقاہ میں آج بھی موجود ہے اس کی کتابت آپ نے اپنے ہاتھوں سے کی تھی۔ وہ شریعت، طریقت اور حقیقت کو ایک زندہ حقیقت مانتے ہوئے علوم کی بنیاد کے لیے ضروری خیال کرتے تھے انہوں نے اسلامی سلطنت و بادشاہت کے لیے نہایت قابل عمل اور مفّصل نظریہءِ بادشاہت پیش کیا نیز امرا، روساء اور اراکینِ سلطنت کے باب میں بھی ان کے ملفوظات میں پند و نصائح کا سامان موجود ہے۔ آپکے ملفوظات و احکام آپکے

مریدین نے نہایت عقیدت سے جمع کر کے انہیں کتابی شکل دی ہے ان میں پہلی تصنیف "جامعہ العلوم الدر المنظوم "ہے کہ جسے ابو عبد اللہ علاؤالدین علی بن سعد بن اشرف دہلوی نے مرتب کیا ہے۔ یہ ملفوظات جہاں گشت کے دہلی میں قیام سے متعلق ہیں کہ جن میں نہ صرف مذہبی و علمی مباحث موجود ہیں بلکہ اس دور کی اہم شخصیات تاریخی واقعات اور معروف دینی کتب کا تذکرہ بھی مستند انداز میں ملتا ہے ۔یوں یہ کتاب نہ صرف مذہبی حوالے سے بلکہ تاریخی اور سماجی حوالے سے بھی اہم ٹھہرتی ہے ۔تصوف کے حوالے سے یہ ایک تفصیلی کتاب ہے جس میں مذہبیات ، اخلاقیات ،سماجیات،شریعت،فقہ اور علم و ادب کے حوالے سے تمام موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔"سراج الہدایہ "یہ دوسرا ملفوظ نو ابواب پر مشتمل احمد برنی کی ترتیب ہے جس میں مذہبی حوالوں کے ساتھ ساتھ تاریخی واقعات بھی موجود ہیں بالخصوص فیروز شاہ کی جنگی مہمات اور دیگر مشہور امراءوشرفا کا طرزِ عمل و زیست وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ اس کے مشمولات میں حدیث،روایت،شرعی احکامات،قصص الانبیاء،اسلام کے بہتر فرقوں،حدیث و شریعت اور عربی و فارسی اشعار کے متعدد نکات داخل مضمون ہیں یوں یہ کتاب صوفیانہ روایت کی پیروی میں مذہبی اور سماجی تاریخ کے حوالے سے ایک اہم اضافہ ثابت ہوتی ہے۔"مقرر نامہ "در حقیقت وہ جوابی مکتوب ہیں جو جہاں گشت نے تاج الدین معین سیاہ پوش کو ان کے استفسارات کے جواب میں لکھے ذاتِ واحد کی عظمت و حقیقت،نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات عقائدِ اسلام اور اعمال انسان کے ساتھ ساتھ یہ مکاتیب صوفیانہ طرزِ فکر و میدان عمل میں صوفی ،سالک ،عارف،طالب اور درویش کی تشریح و تفہیم کی حکایتوں سے بھرے ہوئے ہیں جن کا مطالعہ راہِ طریقت و تصوف کے شائق کے لئے نہ صرف مفید بلکہ راہ کے چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔"خزانہ جلالی"(خزانۃُ الفوائد الجالیہ) کے مرتب حسن بن محمود بن سلیمان تلنبی ہیں۔ یہ کتاب علوم و معارفِ اسلامی کا شاہکار ہے کہ جس میں اس وقت کی اہم کتابوں اور دیگر علماء و صوفیاء کے علوم و معارف کی بازگشت بخوبی سنائی دیتی ہے۔اسلامی تعلیمات اور مومن کی سیرت و کردار کے حوالے سے یہ ایک اہم تصنیف ہے کہ جس میں تمام مذہبی احکامات،ایمانیات،اسلامی،سیاسی،سماجی،خانگی،دینی و دنیاوی مسائل کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردارازواج مطہرات ، اہل بیت ا کرام،اصحاب،ولیوں،صوفیا اور مشائخ کے مناسب اور موضوع حالات کو نہایت دلکش و پر تاثیر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ "رسالہ مکیہ"عربی رسالہ ہے کہ جسے مخدوم جہانیاں نے اپنے سفر حجاز میں بطور درس مطالعہ میں رکھا اور بعد ازاں اس کا ترجمہ عربی سے فارسی زبان میں کیا اس رسالے کی زبان علمی اور سادہ ہے دیگر مذکور صوفیا کے برعکس جہانیاں سے منسوب ادبی تخلیقات شعری و ادبی لطافت سے زیادہ دینی و علمی حوالے سے قابل ذکر ہیں ان کا ادبی ذوق چونکہ علمی و پاکیزہ تھا سو اس کی جھلک ان کی تحریروں اور بیانات میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے ان کی ارشادات و فرمودات جابجا ادبی نکات،علمی مقولوں اور بر محل اشعار سے مزین ہیں۔

شیر خان المعروف مسعود بک:

سلسلہ چشتیہ سے متعلق تھے۔ بخارا کے شاہی خاندان میں سے تھے مگر جلد ہی دنیا اور آسائشاتِ دنیا سے منہ موڑ کر راہ سلوک کے مسافر ہو گئے اور نصیر الدین چراغ دہلوی کی حلقہ ارادت کو اختیار کیا۔ آپ ایک کامل وحدت الوجودی تھے جس کی بناء پر کٹڑ علما آپ سے ناراض ہوئے اور فتوی دے کر انہیں قتل کروادیا گیا۔ اس حوالے سے محمد بولاق کا بیان ہے کہ

''"علمائی روزگار اباوی نفاری تمام بود چنانچہ بفتویٰ ایشان مثل حسین منصور بقتل آمد"(21)

مسعود بک کی متعدد کتب میں سے ادبی و دینی حوالے سے سب سے اہم کتاب "مراۃ العارفین" ہے کہ جو نظم و نثر کے ساتھ ساتھ علم و معرفت کا خزینہ بھی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے تصوف اسکے کے دائرہءِ اختیار صوفی کے عمل، تصوف کے مقامات اوراس سفر سے متعلق کہ جو صوفی کو اس کی حقیقی منزل کی طرف لے جاتا ہے سیر حاصل بحث کی ہے بالخصوص خدا، خواہش، تجلی، توحید، روح، حسن، عظمت، توجہ، موسیقی، روح کی آمد کے متصوفانہ مسائل حاصل مطالعہ ہیں ان عنوانات کو نہ صرف انہوں نے خوبی سے بیان کیا بلکہ اپنے پر تاثیر۔ اشعار سے مزین اورآیات قرآنی سے مستحکم بھی کیا ہے۔ ان کے مطابق کائنات کا نور در حقیقت نور ازلی یعنی خدا کا نور ہے ہر حسن اور ہر جھلک میں اسی کا جلوہ موجزن ہوا ہے۔ وہ بے مثل و بے مثال، یکتا و اعلٰی ہے۔ اس تک رسائی اُس صورت ممکن ہے جب کہ جب کوئی خرقہ ءِ تصوف کو اوڑھ لے۔ اپنے باطن کو ہر خواہش اور ہر دنیاوی لذت سے پاک کر کے مانندِ آئینہ شفاف کر ڈالے۔ تا کہ اس حسنِ لاریب کا عکس اپنا جلوہ دکھا سکے۔ تصوف کا اگلا مرحلہ فنافی الذات ہے دنیا سے بیگانہ و بے پرواہ ہو کر محض اس ایک تصور کو جینا جو حقیقی دوست اور محبوب ہے۔ جس کی صفاتِ حمیدہ و اوصاف جلیلہ بے انتہا و لازوال ہیں۔ ان صفات اور اس بے مثل حسن تک پہنچنے کا ذریعہ عشق ہے اور عشق کی آگ جب وجود کو فنا کرتی ہے تو صوفی مانند ققنس ایک نئی حیات پاتا ہے۔ مگر ہوشیار کہ اس راہِ عمل پر ہر پل کی خبر داری اور احتیاط لازم ہے۔ ذرا سی چوک بشر کو انہی دنیاوی ذلتوں میں لا پھینکتی ہے کہ جسے حرص و ہوا کا آسیب جکڑے ہوئے ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ صوفی کو قلبی پاکیزگی و وسعت حاصل ہو۔ عشق و سر مستی کامل ہو جائے تا کہ وہم اپنی حقیقت، قطرہ اپنے سمندر، خاک اپنے پیکر اور عشق اپنے محبوب سے واصل ہو جائے۔ مسعود بک نے بھی یحیٰی منیری کی طرح نثر کو نظم سے اس طور باہم آمیز کیا ہے کہ ان کی یہ کتاب نثر و نظم کا لازوال مرقع بن گئی ہے۔ مگر اسلوب کا فرق مزاج کے فرق کی طرح بہر حال موجود ہے۔

بروای مدعی داربدہ یمباش

کہ ماخود کار فردادوش کردیم

شراب بے خودی در دل چکان شد

خرد را مست جان مدہوش کردیم

جمال معنوی در صورت ماست

شدہ گر از وغا سرپوش کردیم

فراموسیت ماراذ کر مسعود

سماع عشق تا در گوش کردیم(22)

منصور حلاج کی طرح مسعود بک نے بھی "انا الحق "کا نعرہ مستانہ بلند کیا تھا کہ ان کے مطابق عارف ایک خاص درجہ تک پہنچ کر "میں" نہیں رہتا بلکہ "وہ" ہو جاتا ہے چنانچہ خدا کا جلوہ خود اس کے اپنے جلوے میں آن ٹھہر تا ہے کیونکہ نفس کی صفائی اور قلب کی پاکیزگی جب ذاتِ انسانی کا خاصہ ٹھہرتی ہے تو وہ مافوق البشر ہو جاتا ہے وہ اس مقام تک جا پہنچتا ہے کہ جہاں سے چلا تھا یا اس ذات سے جاملتا ہے کہ جس سے کبھی اپنے نفس کی وجہ سے جدا ہوا تھا پھر وہ نہ خاکی ہوتا ہے نہ آبی، نہ انسان نہ فرشتہ بلکہ فقط ایک پیکر خالص ہوتا ہے جو اس نور ازلی کا پرتو ہے جسے "خدا" کہتے ہیں۔

نہ خاکید نہ آبید نہ باد نہ آتش

ہمہ سر خفید و ہمہ نور خدائید

دریعست، دربغست کہ در خاک بمانیند

گرہائی لطیفد ز دریائی صفائید

یکی بحر و یکی بحر محیطسیت جہاں را

شما غرق در آئید د ہن خشک چرایید

بدرید، بدرید حجاب حدتان را

بر آیید ببنید کہ خرسند بقائید

آرید آرید چہ حوار چہ ملائک

ہمہ سجدہ بیارند اگر روئی نمایید

چہ کردید، چہ گردید بہر کوئی بہر سو

آزان سو کہ شمائیہ ہمان سوئی گرائید

گر دین و دل مال نیارید در آئید

نخواہید، نخواہید کہ بس بیش بہائید (23)

"نورالعیون" ان کا کلیات شعری ہے کہ جس میں غزلیات، ابیات، قطعات موجود ہیں۔ اس کلیات کا تمام تر سرمایہ وحدت الوجودی فلسفے کی کامل تشریح کرتے ہوئے جابجا حسنِ حقیقی کی طلب و دید سے سرمست و سرشار ایک ایسے عاشق زار کو سامنے لاتا ہے کہ جسے نہ موت کا خوف ہے نہ اذیتوں کا ڈر وہ بے خوف ہے دیوانہ ہے اور اس دیوانگی میں فرزانگی کا وہ اثاثہ رکھتا ہے کہ جس کی قدر و قیمت سے دنیاوالے اور دنیاوی علم والے بے بہرہ ہیں، اس کلیات کی زیادہ تر غزلوں پر مولانا روم کے اثر کی جھلک نظر آتی ہے بالخصوص ان کے ابیات میں کہ جنہیں پڑھتے ہی کلامِ رومی کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔ رندی ،استغراقی سرمستی کی کیفیات کے بیان میں مسعود بک مولانا روم کی فکری اور صوفیانہ روایت کے بہت قریب آ جاتے ہیں مسعود بک رومی کے ساتھ ساتھ سعدی سے بھی متاثر ہیں۔ چنانچہ اپنے کلام کی شیرینی اور لطافت کو سعدی کے اثر کا رہینِ منت تصور کرتے تھے مسعود بک اپنے صوفیانہ ہی نہیں ادبی مرتبے سے بھی آگاہ تھے اسی بنا پر وہ اپنے کلام کو سوز و ساز کا لازوال نغمہ، رندی و سرمستی کا خزینہ اور ایک ایسا منظم و شفاف آئینہ خیال کرتے ہیں کہ جس میں قاری خدا اور اس کی صفات کی جھلک بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ ادبی حوالے سے ہندوستانی فارسی شعری روایت میں انکا مرتبہ بہت بلند ہے صوفی شعراء میں وہ اپنے کلام کی تاثیر، معنویت، لطافت، حقیقت نگاری، نقطہ سنجی، زبان و بیان کے سحر و شیرینی کی بنا پر لازوال ٹھہرتے ہیں۔

گیسودراز:

سید محمد ابرار حسینی المعروف بہ گیسودراز کا جائے پیدائش دہلی ہے۔ وہ سلسلہ چشتیہ کے ایک نامور بزرگ تھے۔ جنہوں نے بچپن ہی سے خود کو بحر علوم میں ڈبو لیا اور صوفیانہ مسلک کو اپنا اثاثہ تسلیم کیا۔ آپ نصیر الدین چراغ دہلوی کے چہیتے خلفامیں سے تھے ایک مرتبہ دوران سفر آپ کے دراز گیسو شیخ نصیر الدین کی پالکی کے بند دروازے میں آگئے مگر

مغلوبیتِ عقیدت و احترام کے باعث آپ نے اف تک نہ کی اور تمام راستہ مرشد کی پالکی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس تکلیف و اذیت کو چپ چاپ برداشت کرتے رہے چنانچہ آپ کے عقیدت و محبت سے متاثر ہو کر شیخ نصیر الدین نے آپ کو "گیسو دراز" کا خطاب دیا اور یہ شعر پڑھا

ہر کہ مرید سیدِ گیسو دراز شد

واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد (24)

آپ خلافت سے سر فراز ہوئے اور چراغ دہلوی کے بعد ان کے جانشین ٹھہرے تیمور کے حملہ دہلی کے باعث آپ دکن کی طرف مہاجر ہوئے ایک صوفی عالم ہونے کی بنا پر آپ سے متعدد تصانیف یاد گار ہیں "جوامع القلام" ان کے ملفوظات کی کتاب ہے کہ جس میں عہد تغلق کی تاریخی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کی جھلکیاں بخوبی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں آپ علمی و ادبی حوالے سے ایک ہمہ جہت شخصیت تھے آپ اچھے شاعر و نثّار ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ، مذہبیات، فلسفہ و اخلاقیات کے میدان میں بھی شہسوار تھے۔ ان مضامین میں آپ سے متعدد کتب یادگار ہیں۔ "کتاب الخاتمہ" تصوف کے نظری و عملی مباحث سے متعلق اہم تصنیف ہے کہ جس میں وجد، شکر، استحسان اور تصوف کے حوالے سے جسمانی و ذہنی اثرات کا تذکرہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

"عین العشاق" ان کے مریدین کی طرف سے مجتمع نظموں اور چند غزلوں کا مجموعہ ہے کہ جس کا موضوع دین و دنیا عشق او رشناختِ ذات ہے ان شعری تخلیقات میں انہوں نے اپنا تخلص محمدؐ استعمال کیا ہے۔ مروجہ فارسی شعری روایات میں گو کہ ان کا مرتبہ بلند نہیں مگر ایک بزرگ صوفی کی تخلیقات ہونے کے ناتے اسکا مرتبہ سلسلہ ءِ چشتیہ کے مریدین اور معتقدین کے لئے بلند تر رہے گا۔ "شطرنج نامہ": ایک تمثیلی رسالہ ہے جس میں عالمِ ناسوت، لاہوت اور حشر و نشر کا تذکرہ اختصار سے کیا گیا ہے۔ اور شریعت کی روشنی میں ان سب کے اثرات و عوامل سے بحث کی گئی ہے۔

"وجود العاشقین" عشق حقیقی کی تشریح و توضیح پر مشتمل رسالہ ہے جس کے دامن کی وسعت کائنات کو محیط ہے۔ کیونکہ یہ اس ذات باری کے بارے میں ہے کہ جس کی ذات پوری کائنات پر حاوی و متمکن ہے۔ عشق زندہ حقیقت ہے کیونکہ وہ خدا ہے اور خدا لا موجود بھی ہے اور ہر جگہ موجود بھی ہے۔ لاکھ پردوں میں ہے وہ بے پردہ سو نشانوں پر بے نشاں بھی ہے۔ خدا ہر جگہ پایا جاسکتا ہے۔ نہ مقامیت اسے ٹال سکتی ہے اور نہ وقت چنانچہ یہ جلوہءِ حق ہر جگہ موجود ہے۔ خواہ وہ کعبہ ہو یا بت خانہ عاشق و سالک کے لیے مقامات اور پابندیاں ممکن نہیں خدا محبت ہے اور انسان بھی سو انسان و انسانیت سے محبت و بھلائی اور اس سے اگلے قدم پر راہ سلوک و معرفت سے آشنائی ہی صوفی کا عقیدہ و حاصل ہے۔

"جوامع القلام"

گوناگوں صفات کی وہ جامع کتاب ہے جسے ان کے بیٹے محمد اکبر حسینی نے مرتب کیا ہے۔ یہ نہ صرف ان کے ملفوظات کا تاریخ وار روزنامچہ ہے بلکہ گیسو دراز کے احکامات، گفتگو، علمی و مذہبی مباحث، ان ہزاروں سوالات کے جواب جو کہ مریدین کی طرف سے مذہبی، شرعی اور فلسفیانہ معاملات میں پوچھے گئے تھے۔ اس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ نیز دو سو کے لگ بھگ تاریخی واقعات، حکایات ومشاہدات بھی اس تصنیف میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس عہد کا سیاسی و سماجی ماحول بھی اس کتاب میں جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔ اور یہ کتاب ایک طرح سے عہد تغلق (محمد بن تغلق) کے اچھے برے تمام واقعات بالخصوص " نصیر الدین چراغ دہلوی " سے بادشاہ کی بد سلوکی اور بعد ازاں بادشاہ کی موت اور بھیانک انجام کے متعلق تمام تر واقعات و شواہد اپنے سینے میں محفوظ کیے ہوئے ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اس عہد کی سیاسی، سماجی و مذہبی تاریخ ہی ہے تو غلط نہ ہو گا۔ یہ مذہبی کتاب تصوف کے علاوہ سیاسی و سماجی عروج وزوال کو آئینہ کرتے ہوئے زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتی ہے۔ دیگر کتب کی طرح اس کتاب میں بھی صوفی، قطب، ابدال، اور مریدین و معتقدین سے متعلق صدہا واقعات موجود ہیں، مذہبی و صوفیانہ اور فلسفیانہ مسائل کی تشریح و توضیح کے حوالے سے کثیر تعداد میں آیاتِ قرانی احا دیث اور اشعار اس تصنیف کو رونق بخشتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے اصحاب، انصار و مہاجرین، اہلبیتؑ بالخصوص پنجتن پاک علیہ السلام اور بزرگ صوفیا جنید بغدادی، قیثری، ابوالحسن نوری، یحیی معاذ، با یزید بسطامی، محی الدین ابن عربی، منصور حلاج، قاضی القضاۃ شیخ اوحدی، امام قشیری، جمال سوجی، ملامتیہ، سہر وردیہ، قلندریہ، جنیدیہ اور بالخصوص چشتیہ سلسلے کے اسلاف کے حالات و واقعات اس تصنیف میں مرقوم ہیں۔ تصوف کے آداب اس کے معارف دائرہ عمل مشہور و معروف اصطلاحات اور ان کی حقیقت و اختیار سب اسی تصنیف کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسری طرف یہ تصنیف اپنے وسیع دائرے میں عوام کو بھی سموئے ہوئے ہیں دہلی کے ہر کوچے، گلی، محلے، عوام و خاص، رسوم و رواج، رہن سہن، کھانے پینے کے اسباب وآداب، قحط، وبائیں، بیماریاں، دم پھونک، ٹونے ٹوٹکے، چٹکلے، محافل و اذکار غرض زندگی کے ہر شعبے کو ایسے استناد و تفصیل سے بیان کرتی ہے کہ اس کتاب سے دہلی کی سماجی و سیاسی تاریخ باآسانی مرتب کی جاسکتی ہے۔ نیز اسی کتاب میں ابتداء تا انتہاء گیسو دراز تک تمام صوفی بزرگوں کا تذکرہ متعدد حوالوں سے کرتے ہوئے دینی و سماجی میدان میں ان کی کارکردگی تعلیمات اور لوگوں میں ان کی شہرت و مقبولیت کے اسباب کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جس قدر سماجی تاریخ کے حوالے سے اہم ہے اسی قدر علمی و ادبی حوالے سے اس کا مرتبہ بلند و برتر ہے کہ یہ کتاب اعلی نثری و شعری نمونے کے طور پر آج بھی زندہ و جاوید ہے۔ اس کتاب کا اسلوب سادہ، شگفتہ و من موہت جبکہ اس کا متن قرآن حدیث اور مستند علمی و ادبی حوالوں سے مالا مال ہے۔ گیسو دراز چونکہ خود بھی اچھے شاعر تھے اس لئے انہوں نے نہ صرف علمی و شعری اسلوب کو اختیار کیا ہے بلکہ اس کتاب میں عظیم شعری فن پاروں اور شعراء کے کلام پر عالمانہ، ادبیانہ اور ناقدانہ بحث اس عہد کے شعری اثاثے کے حسن و قبح کو بیان کرنے کے لیے بہت معاون و مددگار ہے بالخصوص اس عہد کے محبوب شاعر امیر حسن کی شاعری اور ان کی شعری صلاحیتوں پر بھرپور تبصرہ ان کے کلام کے عظمت و مقبولیت کو دوچند کر دیتا ہے۔ مختلف لوگوں کے نام لکھے گئے ادبی، فلسفیانہ و صوفیانہ شرح و

بسط سے متعلق خطوط نے بھی اس تصنیف میں جگہ پائی ہے۔ ان تمام علمی ادبی و فنی محاسن کے ساتھ حضرت گیسو دراز کی شخصیت اپنے پورے عہد پر چھائی نظر آتی ہے۔ کہ وہ نہ صرف ایک صوفیءِ باعمل اور علم کا بحر بیکراں تھے بلکہ فنی حیثیت سے بھی فارسی شعری روایت میں انکی حیثیت مستحکم ہے۔ وہ نہ صرف شعرا کے کلام کا استحسان کرتے تھے بلکہ انکی اصلاح میں بھی معاون تھے شعر و ادب کے اعلیٰ معیارات اور فنی قرینوں سے واقفیت کی بنا پر ان کا اپنا کلام بھی انہیں عظیم شعراء کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ وہ صوفیءِ باصفا، عشق کے ساز سے مزین اور طلب کے نور سے منور تھے چنانچہ ان کی شاعری بھی عشق حقیقی کی جھنکار ہے کہ جو اٹھارہ ہزار عالمین کی تخلیق کا باعث اور ہستیوں کو بقا بخشنے والی قوت ہے چناچہ عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے تمام مراحل وجد، سرمستی، تڑپ، حاصل کی لگن اور لاحاصلی و ہجر کی کسک، بقا و فنا اور فنا سے پھر بقا تک کے تمام سلسلے ایک دائروی تسلسل سے متعلق ایک جہان فن تعمیر کرتے ہیں۔ کہ جہاں صوفیانہ عشق کی قوت خاک سے ارم تعمیر کرتی ہے اور پھر ہجر کی سلگن اور محبوبِ حقیقی کی لگن اس ارم سے اذن سفر لیئے زمینوں اور زمانوں کے فاصلے پاٹتی اس کھوج پے مائل ہوتی ہے کہ جو تصوف اور صوفی کا مرکز و محور ہے شاعری میں وہ ابوالفتح اور محمد تخلص کرتے ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

پس از دہر جمال یار دیدم

رخِ زیبائے آن دلدار دیدم

شبی باماہ روئی خوش غنودم

دو چشم بخت خود بیدار دیدم

بزیرِ سایہ سروی نشستم

نہال آسودگی بر یار دیدم

بساط کامرانی واگزیدم

دگر بہ تو لفافِ خار دیدم

محمدؐ دیر باز از دیر دوری

دیار و دیر راد مآر دیدم (25)

ہندوستان میں اوّلین فارسی شعری روایت کا یہ مختصر جائزہ واضح کرتا ہے کہ ہندوستانی مخلوط طرزِ حیات اور متنوع ادبی جہات کی نورنگی اور حیاتیاتی گوناگونانی سرزمینِ فارس کا عطیہ ہے، جس کے زیرِ اثر ہندوستان میں ناصرف خالصتاََ فارسی ادب و شعر کو فروغ ملا بلکہ ہندوستان کی دیگر ان گنت زبانیں شعر فارس کے تحت اپنے رنگ و آہنگ کو جِلا بخشتی رہیں۔ یہ وہی زبانیں ہیں جو پراکرت سے اپ بھرنش اور اپ بھرنش سے مضبوط زبانیں بنیں، ان زبانوں میں ادب، تاریخ اور شعر و سخن کے نئے سوتے پھوٹے اور یہ زبانیں آج بھی زندہ و متحرک عالم میں اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان زبانوں میں سے سب سے اہم زبان خود زبانِ اردو ہے جو اس وقت دنیا کی گیارہویں بڑی زبان ہے جس کے بولنے والوں کی تعداد تئیس سے ستائیس کروڑ کے قریب ہے۔ اردو زبان کا سب سے بڑی جوہر فارسی شعر و ادب ہے جس کی ہندوستان میں ابتدا صدیوں پہلے مسلمان فاتحین و صوفیا کے زیرِ اثر ہوئی اور صدیاں گزرنے کے باوجود یہ اثرات آج بھی اردو زبان کے وجود کو زندگی و تابندگی سے معمور کئے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ عوفی، لباب الالباب، (جلد دوم) مرتبہ، براؤن لندن، 1930، ص:57-58

2۔ ایضاً، ص:28

3۔ ایضاً، ص:241

4۔ مسعود سعد سلمان، دیوان مسعود سعد سلمان، تہران، 1879، ص:254

5۔ (ا) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین: دہلی 1953ء، ص:217

(ب) خشونت سنگھ، دلی، مترجم: محمد احسن بٹ، لاہور: نگارشات، 2019ء، ص:90، 115، 117

6۔ امیر خورد، سیر الاولیاء، مرتب: چرنجی لال، محب ہند: دہلی، 1958ء، ص:392

7۔ مولانا ابوالحسن علی، دعوت وعزیمت، ندوۃ المصنفین، ص:58

8۔ ایضاً، ص:181

9۔ ایضاً، ص:191

10۔ حسن سجزی دہلوی، مخ المعانی، مولانا آزاد لائبریری، علیگڑھ (5/115) ص:12

11۔ ایضاً

12۔ پیر حسّام الدین راشدی، مقالات الشعرا تتوی، سندھ ادبی بورڈ: کراچی، 1957، ص:432

13۔ حمید قلندر، "خیر المجالس" (قلمی) مولانا آزاد لائبریری: علی گڑھ، 6/571، ص:201

14۔ امیر خورد، سیر الاولیا، ص:226

15۔ ایضاً، ص:536

16۔ ایضاً

17۔ ضیاء الدین نخشبی، شرح دعائے سریانی، مطبع نور محمد: کانپور، ص:4

18۔ ضیاء الدین نخشبی، نخشب نامہ، (قلمی) مولانا آزاد لائبریری: علیگڑھ 17/اف بی، ص:20

19۔ ایضاً، ص:45

20 ضیاء الدین نخشبی، سلک السلوک، (قلمی) مولانا آزاد لائبریری: علیگڑھ، 79، ص:100

21۔ محمد بولاق، روضہ اقطاب، کتب خانہ نذیریہ: دہلی، ص:88

22۔ مسعود بیگ چشتی، مراۃ العارفین، (قلمی) مولانا آزاد لائبریری: علیگڑھ 48، ص:229

23۔ ایضاً، ص:245

24۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبع ہاشمی: میرٹھ، 1278ھ، ص:121

25۔ پروفیسر معین الدین، جوامع الکلام، کراچی: اردو نفیس اکیڈمی، 1980ء، ص:475، 476

References:

1. Awfī, *Lubāb al-Albāb*, jild 2, murattib Browne, London, 1930, pp. 57–58.
2. Ibid, p. 28.
3. Ibid, p. 241.
4. Mas‘ūd Sa‘d Salmān, *Dīwān-i Mas‘ūd Sa‘d Salmān*, Tehran, 1879, p. 254.
5. (a) Khalīq Aḥmad Niẓāmī, *Salāṭīn-i Dihlī ke Mazhabī Rujḥānāt*, Nadwat al-Muṣannifīn, Delhi, 1953, p. 217. (b) Khushwant Singh, *Dihlī*, trans. Muḥammad Aḥsan Baṭṭ, Lahore: Nigārishāt, 2019, pp. 90, 115, 117.
6. Amīr Khurd, *Siyar al-Awliyā*, murattib Charanjī Lāl, Muḥibb-i Hind, Delhi, 1958, p. 392.
7. Maulānā Abū al-Ḥasan ‘Alī, *Da‘wat-o-‘Azīmat*, Nadwat al-Muṣannifīn, p. 58.
8. Ibid, p. 181.
9. Ibid, p. 191.
10. Ḥasan Sijzī Dehlavī, *Mukh al-Ma‘ānī*, Maulana Azad Library, Aligarh, MS 5/115, p. 12.
11. Ibid.
12. Pīr Ḥisām al-Dīn Rāshidī, *Maqālāt al-Shu‘arā Tattawī*, Sindh Adabī Board, Karachi, 1957, p. 432.
13. Ḥamīd Qalandar, *Khayr al-Majālis* (Qalamī Nuskhah), Maulana Azad Library, Aligarh, MS 6/571, p. 201.
14. Amīr Khurd, *Siyar al-Awliyā*, p. 226.
15. Ibid, p. 536.
16. Ibid.
17. Ḍiyā’ al-Dīn Nakhshabī, *Sharḥ Du‘ā-i Suryānī*, Maṭba‘ Nūr Muḥammad, Kanpur, p. 4.
18. Ḍiyā’ al-Dīn Nakhshabī, *Nakhshab Nāmah* (Qalamī Nuskhah), Maulana Azad Library, Aligarh, MS 17/F.B., p. 20.
19. Ibid, p. 45.
20. Ḍiyā’ al-Dīn Nakhshabī, *Silk al-Sulūk* (Qalamī Nuskhah), Maulana Azad Library, Aligarh, MS 79, p. 100.
21. Muḥammad Būlāq, *Rawżah-i Aqṭāb*, Kutub Khānah Naẓīriyyah, Delhi, p. 88.
22. Mas‘ūd Beg Chishtī, *Mir’āt al-‘Ārifīn* (Qalamī Nuskhah), Maulana Azad Library, Aligarh, MS 48, p. 229.

23. Ibid, p. 245.
24. ‘Abd al-Ḥaqq Muḥaddith Dehlavī, *Akhbār al-Akhyār*, Maṭba‘ Hāshimī, Meerut, 1278 AH, p. 121.
25. Professor Mu‘īn al-Dīn, *Jawāmi‘ al-Kalām*, Karachi: Urdū Nafīs Academy, 1980, pp. 475–476.